مولانا آزاد کے مراسلات کا کلینڈر

مرتبین

پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین
ودّیا واچسپتی شیخ محبوب باشا
ڈاکٹر احمد

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
حیدرآباد

© Maulana Azad National Urdu University
ISBN: 978-93-95203-63-0
First Edition: January 2023

Calendar of Maulana Azad's Correspondense

Edited by
S.M. Azizuddin Husain
Shaik Mahaboob Basha
Ahmad

نام کتاب	:	مولاناآزاد کے مراسلات کا کلنڈر
مرتبین	:	پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین ودّیا واچسپتی شیخ محبوب باشا ڈاکٹر احمد
سنہ اشاعت	:	جنوری 2023
تعداد	:	200
قیمت	:	200 روپئے
کمپوزنگ	:	احمد
سرورق ڈیزائن	:	شیخ ستّار صاحب 9866600805
بک اینڈ کور ڈیزائن آئیڈیاز	:	ودّیا واچسپتی شیخ محبوب باشا
پروف ریڈنگ	:	محمد عاصم
مطبع	:	پرنٹر ٹائم اینڈ بزنس اینٹرپرائزس
ملنے کا پتہ	:	ڈی ٹی پی سیل کاؤنٹر، ہارون خاں شیروانی سینٹر فار دکن اسٹڈیز، مولاناآزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد-500032 E-mail: directordtp@manuu.edu.in

یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔
کتاب کے منسکلات سے کونسل کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

بنام

پروفیسر سیّد عین الحسن صاحب

وائس چانسلر

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY
(A Central University established by an Act of Parliament in 1998)

Prof. Syed Ainul Hasan
Vice - Chancellor

प्रो. सैयद ऐनुल हसन
कुलपति

پروفیسر سید عین الحسن
وائس چانسلر

پیغام

انتہائی خوشی کی بات ہے کہ پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین، پروفیسر آزاد چیئر کی قیادت میں ان کی ٹیم کے ارکان ڈاکٹر شیخ محبوب باشا اور ڈاکٹر احمد نے مولانا ابوالکلام آزاد کے مراسلات کا کلینڈر تیار کیا ہے۔ یہ کلینڈر بیسویں صدی کی ممتاز شخصیت مولانا آزاد کے لیے ایک گراں قدر خراج تحسین ہے۔ مولانا آزاد کا شمار ہمارے ملک کے سرکردہ مجاہدین آزادی میں ہوتا ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد پہلی مرتبہ مولانا آزاد کے مراسلات کا کلینڈر شائع کر رہی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے اردو خطوط، جو تحریک آزادی کا اہم ماخذ ہیں، پر تحقیق کرنے والے اسکالرز کے لیے یہ کلینڈر معاون ثابت ہوگا۔

پروفیسر سید عین الحسن

Gachibowli, Hyderabad - 500 032 T.S. India
(Tel: (O) +91-40-2300 6601 EPABX : 23120600 Ext. 1101 Email : vc@manuu.edu.in Web: www.manuu.ac.in
گچی باؤلی، حیدرآباد۔032 500 (تلنگانہ) الہند

فہرست

1.	پیغام وائس چانسلر، مولاناآزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	
2.	دیباچہ	ix-xi
3.	مقدمہ	1-41
4.	مولاناآزاد کے مراسلات کا کلینڈر	45-136

دیباچہ

میں پروفیسر سید عین الحسن صاحب، وائس چانسلر، مولاناآزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہارون خان سینٹر فار دکن اسٹڈیز میں میرا تقرر بحیثیت آنریری پروفیسر کے کیا۔ سولہویں صدی عیسوی میں میر کمال الدین حسین ہمدانی مغل بادشاہ اکبر کے عہد (1556-1605) میں ایران سے ہندوستان آئے اور قصبہ جلالی، ضلع علی گڑھ میں کبرویہ سلسلے کی بنیاد ڈالی۔ یہ وہ دور تھا جب اکبر نے شیر وانی پٹھانوں کو جلالی سے نکال کر کالی ندی کے دوسری جانب منتقل ہو جانے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے اس کے والد ہمایوں کے خلاف شیر شاہ سوری کا ساتھ دیا تھا۔ وہاں شیر وانی پٹھانوں نے اپنی بستیاں بسائیں جس میں حبیب گنج، بھیکم پور، دتاولی، نوشہ، برلا وغیرہ قابل ذکر تھیں۔ پروفیسر ہارون خاں شیر وانی کا تعلق دتاولی سے تھا۔ حبیب گنج میں بھی بڑے بڑے علما اور دانشور پیدا ہوئے۔ ہمارے بزرگوں کے ان حضرات سے گہرے مراسم تھے۔ لہٰذا میرے والد مرحوم پروفیسر حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی جب بھی حیدرآباد آتے تو پروفیسر شیر وانی صاحب سے ملنے ان کے گھر حمایت نگر ضرور جاتے۔ مجھے بھی ان کی ہدایت تھی کہ جب بھی میں حیدرآباد جاؤں تو پروفیسر شیر وانی صاحب سے ضرور ملاقات کروں۔ میں جب بھی حیدرآباد آیا ان سے ضرور ملا۔ وہ بڑے مشفق بزرگ تھے۔ اس خاندان کے آخری دانشور پروفیسر ریاض الرحمٰن خان شیر وانی صاحب کی سرپرستی کا شرف مجھے حاصل تھا۔ میں اکثر ان سے ملنے کے لئے حبیب منزل، علی گڑھ جاتا رہتا تھا۔ وہ میری ہر تحریر کا مطالعہ فرماتے اور پھر اس پر اپنے تاثرات تحریر کر کے مجھے بذیعہ ڈاک دہلی بھیجتے۔ اس سینٹر کی آنریری پروفیسر شپ سے پہلے ہی ہمارا قریبی تعلق پروفیسر ہارون خان شیر وانی صاحب سے تھا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد پروفیسر سید عین الحسن صاحب نے میرا تقرر پروفیسر مولاناآزاد چیئر پر کر دیا۔ میں ان کی کرم فرمائیوں کے

لئے تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ انہوں نے مجھے مولاناآزاد کے افکار وخیالات کو سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔ زیرِ نظر کتاب اسی کاوشِ پیہم کی ایک کڑی ہے۔ مولاناآزاد کے کافی خطوط، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی۔ تین مورتی لائبریری نئی دہلی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، اور کئی اہم پرائیویٹ کلیکشنز میں موجود ہیں۔ کافی خطوط شائع بھی ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے دو ساتھیوں ڈاکٹر شیخ محبوب باشااور ڈاکٹر احمد کی مدد سے یہ کلینڈر تیار کیا ہے۔ میں ان دونوں حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اس کلینڈر کی تیاری میں پروفیسر شیخ اشتیاق احمد صاحب، رجسٹرار مانو کی مدد شاملِ حال رہی ہے میں ان کا بھی ممنون ہوں۔ ڈاکٹر شیخ عقیل احمد، ڈائریکٹر، نیشنل کاؤنسل فار پروموشن آف اردو لینگویج، منسٹری آف ایجوکیشن، حکومتِ ہند کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے مالی تعاون فراہم کیا۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کے ڈائریکٹر جنرل اور ڈاکٹر فیضان احمد آرکائیوسٹ کا بھی مشکور ہوں، میں پروفیسر نشاط فاطمہ صاحبہ، لائبریرین مولاناآزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مولاناآزاد کے خطوط کے مطالعہ کے دوران مدد فرمائی۔ ڈاکٹر عطاخورشید صاحب ہمیشہ میرے علمی کاموں میں مدد کرتے رہے ہیں ان کا شکریہ ادا کرنا ذرا مشکل کام ہے۔ جناب محسن جعفری صاحب انچارج شعبہ مخطوطات، آزاد لائبریری ان کا تو نام ہی محسن ہے۔ وہ اور ان کے ساتھی ہمیشہ بڑی فراخ دلی سے میری مدد کرتے رہے ہیں میں ان کا بھی بے حد ممنون ہوں۔ ڈاکٹر پرویز اختر، لائبریرین، سید حامد لائبریری، مولاناآزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے تعاون کی جب بھی ضرورت پڑی انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے میری مدد فرمائی۔ میں ان کا اور ان کے ساتھیوں کا بھی مشکور ہوں۔ جناب مولانا جعفر مسعود ندوی صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ندوۃ العلما، لکھنؤ میں میرے قیام اور دوسری سہولتیں فراہم کرائیں۔ یوپی اسٹیٹ آرکائیوز، لکھنؤ، بھارت اتہاس سمشودھن منڈل، پونا کے ڈائرکٹر اور دوسرے اسٹاف ممبران نے میری مدد فرمائی، اس کے لیے میں ان کا شکر گذار ہوں۔ میں

پروفیسر نکہت جہاں صاحبہ کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس مسودے پر نظرِ ثانی فرمائی۔ میں ڈاکٹر احمد خان کا بھی شکر گزار ہوں کہ ہمیشہ ان کی مدد شاملِ حال رہی۔ وائس چانسلرس آفس، رجسٹرار آفس اور فائنانس آفس کے افسران اور تمام اراکین کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میری مدد فرمائی۔ جناب حبیب احمد اور ڈاکٹر زبیر احمد مرکز برائے اردو ثقافت و مطالعات، مانو ہمہ وقت انتہائی متانت و سنجیدگی اور خوش اسلوبی سے ہر کام میں میری مدد فرماتے رہے ہیں میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ جناب ڈاکٹر میر سید ابو الحسین اور جناب محمد عاصم صاحبان، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کا بھی ان کے تعاون کے لئے مشکور ہوں۔ میں جناب ڈاکٹر محمد اکمل خان، ڈاکٹر شیخ محبوب باشا کے ریسرچ اسکالر محمد حارث اور سرورق کے ڈیزائنر شیخ ستار صاحب کا بھی مشکور ہوں۔ شیخ فیاض معین الدین صاحب اور محترمہ سنیتا کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ بھی مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

میں اپنے نواسوں اور نواسی سمیر، انایا، اور ضیا کی محبتوں کا شکر گزار ہوں کہ ان سے بات کر کے بڑی تقویت ملتی ہے۔ میں اپنی بیٹیوں لیفٹیننٹ کرنل عطیہ عزیز اور پلانر زیبا عزیز اور دامادوں لیفٹیننٹ کرنل انکش گپتا، اور انجینیر اسد نقوی کی خلوص و محبت کا بھی مشکور ہوں میں اپنی شریک حیات پروفیسر طلعت عزیز کا شکر گزار ہوں کہ میرے تمام علمی کاموں میں ہمیشہ ان کی مدد اور تعاون شاملِ حال رہا ہے۔

سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی

پروفیسر، مولانا آزاد چیئر

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

سابق صدر، شعبہ تاریخ و ثقافت

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

11/نومبر 2022

مقدمہ

مولانا آزاد نے کافی لوگوں کو خطوط ارسال کئے اور یہ خطوط انھوں نے مختلف حیثیتوں سے لوگوں کو لکھے جو آج اس دور کے سیاسی، سماجی، مذہبی اور ثقافتی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان کے یہ خطوط نیشنل آرکائیوز آف انڈیا۔ تین مورتی لائبریری، دہلی، دار المصنفین، اعظم گڑھ اور کچھ لوگوں کے ذاتی ذخیروں میں موجود ہیں۔ ان خطوط کی ترتیب، تدوین اور اشاعت کا بڑا کام ابو سلمان شاہجہاں پوری نے ''فیضانِ ابوالکلام''، عبدالستار دلوی نے ''مولانا ابوالکلام آزاد ایک مطالعہ'' ضیاء الحسن فاروقی نے 'مولانا ابوالکلام آزاد' رشید الدین خان نے ''مولانا ابوالکلام آزاد: شخصیت، سیاست، پیغام''، عبدالرزاق ملیح آبادی نے ''ذکر آزاد''، مالک رام نے ''خطوط آزاد'' وغیرہ کے نام سے کیا ہے۔ اس کے علاوہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نے بھی ان کے خطوط کا مجموعہ شائع کیا۔ لیکن اس تحقیق کے بعد ایک عجیب حقیقت سامنے آئی کہ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبہ مخطوطات میں مولانا آزاد کا ایک بھی خط موجود نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد وزیر تعلیم بننے کے بعد کیا مولانا آزاد نے ایک بھی خط مسلم یونیورسٹی کے ذمہ داران کو نہیں لکھا ہوگا؟ آزادی کے بعد مولانا وزیر تعلیم رہے اور یونیورسٹی کو ان کی وزارت کے زمانے میں ہی 1951 کا ایکٹ بھی ملا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔ کیا اس دوران مولانا آزاد نے ایک بھی خط علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر وغیرہ کو نہیں لکھا ہوگا؟ یعنی مولانا آزاد لائبریری میں کوئی بھی خط مولانا آزاد کا شعبہ مخطوطات میں موجود نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ سر

سید احمد خان نے ضیاالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی پر کام کر کے اسے شائع کیا۔ انہوں نے چار مخطوطات کا مطالعہ کیا لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس تاریخ فیروز شاہی کا ایک بھی نسخہ مولاناآزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں موجود نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد تاریخ کے ایک پرفیسر شیخ عبدالرشید نے اس کو شائع کیا اور اس کے بعد وہ پاکستان چلے گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ندوۃ العلما لکھنؤ کی تعمیر و ترقی میں خاصی دلچسپی لی۔ لیکن ندوۃ العلما لکھنؤ کی لائبریری میں بھی ان کا ایک بھی خط موجود نہیں ہے۔ مزید برآں، ڈاکٹر ذاکر حسین آرکائیوز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، اور اترپردیش اسٹیٹ آرکائیوز، لکھنؤ میں بھی مولاناآزاد کا کوئی خط موجود نہیں ہے۔

مولاناآزاد کے یہ خطوط تاریخ کا ایک اہم ماخذ ہیں۔ اس لئے کہ مولانا نے مسلمانوں کے بہت سے مسائل جیسے تقلید اور اجتہاد پر اپنی بے باک اور صاف رائے دی ہے۔ آزادی کی تحریک میں مولاناآزاد کانگریس میں شامل ہوئے۔ وہ کانگریس پارٹی کے اہم رکن تھے۔ لیکن جب بھی کانگریس نے اصولوں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو اس کی انہوں نے تنقید کی جس میں سب سے اہم مسئلہ تقسیم ہند کا تھا۔ انہوں نے بڑی شدت سے کہا کہ کسی قیمت پر تقسیم ہند کے فیصلے کو ہمیں قبول نہیں کرنا چاہیے۔ اس حساس اور انتہائی اہم مسئلے پر جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل سے ان کا شدید اختلاف رہا۔ تقسیم ہند کے مسئلہ پر انہیں مہاتما گاندھی کے رویے سے بھی سخت تکلیف ہوئی جس کا اظہار انھوں نے مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو سے صاف صاف الفاظ میں کیا۔

مولاناآزاد اپنی رائے بڑی بے باکی سے پیش کرتے تھے۔ مولاناآزاد کی عورتوں کے بارے میں رائے تھی کہ ''عورتوں کے ساتھ مردوں نے ہمیشہ زیادتی کی ہے اور ان کے جو حقوق تھے وہ نہیں دئے جبکہ قرآن میں ہر جگہ مرد اور عورت دونوں کو منصفانہ اور برابری

کے حقوق دئے گئے ہیں'' وہ مزید فرماتے ہیں کہ ''عورت کا کمال جسمانی توانائی اور وسعتِ معلومات پر موقوف نہیں بلکہ وہ ایک روحانی قوت پر منحصر ہے جو عورت کو مرد کے مقابلہ میں بہت اہم اور اعلیٰ درجہ پر فائز کرتا ہے۔''صوفیا نے بھی عورتوں کی حیثیت کو خواہش نفسانی سے نکال کر ان کی روحانی طاقت کے نظریہ اور کردار کو ابھارا اور عورتوں کو سماج میں اہم مقام دلایا۔ عورتوں کے بارے میں مولاناآزاد لکھتے ہیں کہ ''ان عورتوں کو مناسب نہ تھا کہ وہ بجائے خود ڈاکٹر یا انجینئر بننے کے اگر چند عالمی حوصلہ منداور روشن خیال مرد ڈاکٹروں اور انجینیروں کی مائیں بنتیں تو یہ صورت نوع انسانی کے حق میں زیادہ مفید ہوتی۔''آگے فرماتے ہیں ''عورت کا طبعی فرض نوعِ انسانی کی حفاظت اور تربیت ہے۔اس دائرے سے عورت باہر قدم نکالتی ہے تو عورت عورت نہیں رہتی۔''مولانا لکھتے ہیں ''سرسید نے میر ممتاز علی کے ''رسالہ حقوق نسواں'' کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے''مولاناآزاد سرسید سے کافی معاملات میں بے حد متاثر تھے۔

ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کا احساس سب سے پہلے صوفیا کو ہوا۔ چنانچہ پنجاب اور دکن کے کچھ صوفیا نے اپنی مرید خواتین کی تعلیم و تربیت کی اور پھر ان کو اپنا خلیفہ بھی بنایا۔ان کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص کتابیں لکھیں۔ چکی نامہ، چرخہ نامہ تحریر کیا۔ شیخ محمد داول نے ناری نامہ خواجہ رحمت اللہ نے مثنوی تنبیہ النسا، شاہ عبدالحئ بنگلوری نے تحفتہ البنات اور شیخ راجو نے سہاگن نامہ جیسی کتابیں لکھیں۔ دکن کے صوفیا اور دیگر دانشوروں نے عورتوں کے حقوق کی بات کی۔اس کے بعد کے دور میں شمالی ہندوستان میں مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی نے عورتوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیا اور ان کے حقوق کی بازیافت کے بارے میں نظم و نثر میں کافی کچھ لکھا۔ ان کے ساتھ کی جانے والی حق تلفیوں اور مظالم سے لوگوں کو آشنا کیا۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ برطانوی دورِ حکومت میں ہندوستانی علما

نے جو مسلم پرسنل لا ترتیب دیا اس میں خواتین کو ایگری کلچرل زمین کی وراثت کے حق سے محروم کر دیا۔ مولانا آزاد بھی عورتوں کی حالت اور ان کے حقوق کی بات کر رہے ہیں لیکن مولانا عورتوں کو تعلیم کے میدان میں نہ آنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور ان کو ہدایت دے رہے ہیں کہ ان کا گھر میں رہنا زیادہ مناسب ہے۔ لیکن انہیں کے ساتھ تحریک آزادی میں سروجنی نائیڈو جیسی خاتون بھی ان کے شانہ بشانہ کام کر رہی تھیں۔ تو پھر عورتوں کا تعلیمی میدان میں آگے نہ آنے کا کیا مطلب ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شرعی احکام کے برعکس مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے عورتوں کو تعلیم سے دور رکھا جس کی وجہ سے مسلمان سماجی پس ماندگی کا شکار ہوئے۔ سلاطین دہلی کے عہد سے لے کر مغل عہد (1206 سے 1857) تک مسلم حکمرانوں اور بادشاہوں نے لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی مدرسہ قائم نہیں کیا۔ سرسید کے ساتھی جسٹس کرامت حسین نے جب لکھنؤ میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اسکول شروع کرنے کی بات کی تو سنی اور شیعہ علما نے ان کی بھرپور مخالفت کی۔ مجبوراً انہیں اس کا آغاز الٰہ آباد میں کرنا پڑا۔ بعد میں یہ ادارہ لکھنؤ منتقل کیا گیا۔

آج پوری دنیا میں عورتوں کے حقوق پر بحث چل رہی ہے۔ مولانا اس سلسلے میں قرآن کی روشنی میں لکھتے ہیں "بلاشبہ مردوں نے اپنی ظالمانہ خود غرضیوں سے عورتوں کے بارے میں ہمیشہ ایسے ہی فیصلے کیے ہیں لیکن قرآن کا یہ فیصلہ نہیں ہے۔ اس نے ہر جگہ مرد اور عورت دونوں کا مساویانہ حیثیت سے ذکر کیا ہے۔" برطانوی راج کے قیام کے بعد جب مسلم پرسنل لا تشکیل دیا گیا تو اس میں عورتوں کے ساتھ حق تلفی کی گئی۔ یہ زیادتی مذہبِ اسلام نے ہرگز نہیں کی ہے بلکہ یہ زیادتی اسلام کے نام نہاد چند سنّی و شیعہ علما نے کی تھی۔ علما نے مسلم مرد زمینداروں اور نوابوں کی طرفداری میں قرآنی ہدایات کی بھی پروانہ کی۔ کیونکہ یہ علما بھی مرد تھے اور نواب اور زمیندار بھی مرد تھے۔

ایک اہم بات انھوں نے جدید سیکولر ہندوستان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کی تھی کہ ''سرکاری مدارس کے نصاب میں ''مذہبی تعلیم'' کو نہیں رکھا جائے۔اس لئے کہ مخلوط سماج میں مدارس میں مذہبی تعلیم کی ضرورت نہیں۔تاکہ مدارس میں ہندو بھی داخلہ لے سکیں اور تعلیم حاصل کریں۔وہ ایسی تعلیم چاہتے تھے جو اخلاقی اور روحانی قدروں کو فروغ دے اور دنیا کے تمام مذاہب کے بارے میں تعلیم دے۔ہم دیکھتے ہیں کہ آزادی سے پہلے اور آزادی کے کچھ عرصہ بعد تک بہت سارے ہندوؤں نے بھی ان مدارس میں تعلیم حاصل کی تھی۔مولانا تاریخ کو بڑی اہمیت دیتے تھے ان کا ماننا تھا کہ تاریخ میں تہذیب و تمدن کی داستان ہونی چاہیے جس میں اس کا فلسفہ، مذہب اور انسان دوستی کا پیغام جھلکتا ہو۔

مولانا تقلید کے حامی نہیں تھے۔ان سے پہلے شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی اجتہاد پر زور دیا تھا۔مولانا فرماتے ہیں کہ ''تقلید پرستی کی عادت ہلاکت و بربادی کی ایک چٹان ہے جو انسانی تفکر وتدبر اور ادراک و تعقل کی تمام قوتوں کو کچل ڈالتی ہے اور اس کی قوتِ نشوونما کا دائمی سدباب کر دیتی ہے۔''اس کے آگے مزید فرماتے ہیں ''جب ایک جماعت تقلید اور وہم پرستی میں اس درجہ ڈوب جائے کہ عقل وبصیرت کی کوئی بات بھی اس کے اندر نہ اتر سکے تو امتناع فکر کی صرف یہی ایک راہ رہ جاتی ہے کہ ان کی عقل کی جگہ ان کے حواس کو مخاطب کیا جائے'' اکبر بادشاہ کے عہد (1556-1605) کے مشہور مورخ علامی ابوالفضل نے جو اکبر نامہ جیسی شہرۂ آفاق کتاب کے مصنف ہیں، تقلید سے اتفاق نہیں کیا۔اس لئے کہ تقلید تفکر، تعقل اور تدبر کے خلاف ہے۔یہی وجہ ہے کہ سلاطینِ دہلی کے عہد میں ہندوستان کے علمانے فلسفہ کی مخالفت کی تھی۔اس لئے کہ فلسفہ معاملات کو سمجھنے کے لئے ایک راہ دکھاتا ہے اور معاملات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔تاریخ فیروز شاہی کا نامور مصنف ضیاء الدین برنی بھی فلسفہ کی تعلیم کے مخالف تھے۔انہوں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ جتنے فلسفی

سلطنت دہلی میں موجود ہیں انہیں سلطنت کے حدود سے باہر نکال دینا چاہئے،اس لئے کہ ان کا یہاں رہنا سلطنت کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ سلطان محمد بن تغلق کو بھی گمراہ کرنے کا الزام وہ انہیں فلاسفہ کے سر ڈالتے ہیں۔ سر سید احمد خان نے بھی بہت سے موضوعات پر عقل اور سمجھ کے مطابق بات کی تھی۔ سر سید احمد خان کی قائم کردہ یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ تو ہے لیکن مختار احمد انصاری، مولانا محمد علی جوہر، مولانا محمود حسن، گاندھی جی اور حکیم اجمل خان وغیرہ کی سرپرستی میں قائم ہونے والی دہلی کی مشہور یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں سو سال گزرنے کے بعد بھی آج تک فلسفہ کا شعبہ قائم نہیں ہو سکا ہے۔ مولاناآزاد کی رائے میں ''تقلید ہلاکت و بربادی کی ایک چٹان ہے جو انسانی تفکر وتدبر اور ادراک و تعقل کی تمام قوتوں کو کچل ڈالتی ہے اور اس قوتِ نشو نما کا دائمی سدِ باب کر دیتی ہے۔'' مولانا اجتہاد کے قائل تھے انہوں نے کہا'' فی الحقیقت خلیفہ وقت اور اربابِ حل و عقد و اصحابِ شوریٰ کو ہر عہد اور ہر دور میں حقِ اجتہاد حاصل ہے۔ اس کے سدِ باب نے تاریخِ اسلام کے تمام مصائب کی بنیاد ڈالی''،لیکن مولاناآزاد کی اس بات پر سنی علمانے آج تک غور نہیں کیا جس کے نتیجہ میں اکیسویں صدی میں بھی اہل سنت نے اجتہاد کے دروازے اپنے اوپر بند کر رکھے ہیں۔ کچھ صوفیائے کرام نے اس جانب پیش رفت کی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب سلطان غیاث الدین تغلق (25-1320) نے تغلق آباد کے قلعہ میں سماع پر محضر بلایا تو اس میں بڑی تعداد میں علمانے شرکت کی تھی۔ چونکہ حضرت نظام الدین اولیا سماع کے قائل تھے لہٰذا ان کو بھی بلایا گیا۔ جب اس پر بات شروع ہوئی تو حضرت نظام الدین اولیا سے کہا گیا کہ وہ گفتگو کا آغاز کریں کیوں کہ وہ سماع کے قائل ہیں۔ جب انہوں نے احادیث کا حوالہ دیا تو علمانے کہا کہ آپ حدیث کا نہیں کسی امام کے قول کا حوالہ دیں۔ تو حضرت نظام الدین اولیانے فرمایا کہ یہ کیسا دور ہے جہاں حدیث پر ائمہ کی رائے کو ترجیح دی جارہی ہے۔

مولاناآزاد ہندوستانی علماء سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ''جو اجلے نقش و نگار تمہیں اس ہندوستان میں ماضی کی یادگار کے طور پر نظر آرہے ہیں وہ تمہارا ہی قافلہ لایا تھا۔ انہیں بھلاؤ نہیں، انہیں چھوڑو نہیں۔ ان کے وارث بن کر رہو اور سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لیے تیار نہیں تو پھر تمہیں کوئی طاقت بھگا نہیں سکتی۔ آؤ عہد کریں کہ یہ ملک ہمارا ہے ہم اس کے لئے اور اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے'' مولانا آزاد ہندوستانی مسلمانوں میں ایک اعتماد پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ تقسیم ہند کے فیصلے کے بعد ہندوستانی مسلمان تذبذب کا شکار تھے کہ وہ ہندوستان میں رہیں یا پاکستان چلے جائیں۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ہندوستان میں ہمارا کوئی حق رہے گا کہ نہیں؟ اس پر مولانا کہتے ہیں کہ ''یہ ملک ہمارا ہے اس کے فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے۔''

مولاناآزاد کی یہ نصیحت نہ صرف اس وقت اہم تھی بلکہ آج بھی اتنی ہی اہم ہے۔ آج ہم دستورِ ہند کی بات کرتے ہیں اور اپنی بحثوں اور مباحثوں میں دستور ہند کی دفعات کا حوالہ دیتے ہیں۔ مولاناآزاد نے کہا تھا ''جو قوم خود اپنے آپ کو بچانے پر قادر نہ ہو اس کو محض دستوری تحفظات نہیں بچا سکتے۔ کاغذ کے پرزوں پر لکھے ہوئے قانون تمہیں محفوظ نہیں رکھ سکتے'' آگے فرماتے ہیں ''تم نو کروڑ ہوتے ہوئے یہ خیال کرتے ہو کہ فنا ہو جاؤ گے مٹ جاؤ گے تو اس کا کیا علاج؟'' مولانا کس طرح سے مسلمانوں کو سمجھا رہے ہیں اور ان میں اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ مسلمان ہندوستان کی سب سے بڑی مائناریٹی ہیں۔ وہ آگے لکھتے ہیں کہ ''اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرلو جس طرح آج سے کچھ عرصہ پہلے تمہارا جوش و خروش بے جا تھا اسی طرح آج تمہارا یہ خوف و ہراس بھی بے جا ہے۔ مسلمان اور بزدلی اور مسلمان اور اشتعال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔'' مولانا مسلمانوں کو

اعتدال پسندی کو اپنانے کی ہدایت دے رہے ہیں کہ کوئی مسلمان نہ ہی بزدلی کا شکار ہو اور نہ ہی اشتعال انگیزی سے کام لے بلکہ ہمیشہ اعتدال کا راستہ اپنائے۔

آزاد ہندوستان میں مسلم یونیورسٹی کو ایکٹ ملنا تھا اس پر مسلمانوں کے عجیب عجیب خدشات تھے کہ سیکولر ہندوستان میں مسلم یونیورسٹی میں مذہبی تعلیم حاصل کرنا ممکن ہوگا کہ نہیں اس کے بارے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ ''جہاں تک مذہبی تعلیم کا تعلق ہے کیا مسلم یونیورسٹی میں اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ آج اگر ہر مسلمان طالب علم اپنے اوپر یہ لازم کر لے کہ وہ مذہبی تعلیم حاصل کرے گا تو اسے دستور کی کوئی دفعہ روک نہیں سکتی۔ ہمارے خدشات کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آج بھی ہم جذباتیت کے شیدائی اور غور و فکر سے عاری ہیں۔'' یہ بالکل اسی طرح سے ہے جیسا کہ برطانوی حکومت کے قیام کے بعد جب انگریزوں نے اسکولوں اور کالجوں میں انگریزی کی تعلیم دینا شروع کیا تو لوگ دہلی کے ایک بڑے عالمِ دین شاہ عبدالعزیز کے پاس فتویٰ لینے گئے کہ کیا اسلام میں انگریزی پڑھنا پڑھانا اور سیکھنا جائز ہے۔

1947 کے بعد یونیورسٹی ایکٹ کے سلسلے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اربابِ حل و عقد مختلف خدشات کا شکار تھے۔ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد پاکستان جا چکی تھی۔ مسلمانوں کی دینی تعلیم میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ تھا۔ دینی تعلیم کے حصول میں حکومت نے کبھی بھی رکاوٹ پیدا نہیں کی اور نہ ہی کوئی اس کے لئے ذمہ دار ہے۔ آج بھی مسلم یونیورسٹی میں فیکلٹی آف تھیالوجی قائم ہے جس کی پوری گرانٹ حکومت دے رہی ہے۔ یہاں پر میں دو باتیں کہنا چاہوں گا۔ اول یہ کہ مسلم یونیورسٹی میں کافی فیکلٹیز موجود ہیں لیکن طلبا و طالبات کی سب سے کم تعداد فیکلٹی آف تھیالوجی میں ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے دیگر کورسیز فاصلاتی نظامِ تعلیم کے ذریعہ بھی جاری ہیں لیکن اس فیکلٹی آف تھیالوجی کا تعلق فاصلاتی

نظامِ تعلیم سے نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی نے پانی پت میں رہ کر سات جلدوں میں قرآن کی تفسیر لکھ دی۔ مولانا سیّد حامد حسین نے لکھنؤ میں رہ کر ۷۲ جلدوں میں عبقات الانوار لکھی۔ایران کے شہر مشہد میں اس کتاب پر کام کرنے کے لئے ایک سینٹر قائم ہے جو اس پر مزید تحقیقی کام کر رہا ہے۔۱۹۴۷ سے لے کر آج تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی فیکلٹی آف تھیالوجی نے کون سا کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔اس کی بڑی وجہ مولانا آزاد نے جذباتیت اور غور و فکر سے عاری ہونا بتایا ہے۔کسی بھی فیکلٹی کے ڈین یا شعبہ کے چیئرمین کا کام صرف یہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ محض ٹیچنگ کرائیں اور امتحانات کرائیں، مساجد میں نماز ادا کرائیں اور مجلسیں منعقد کرائیں بلکہ ایسے تحقیقی کارنامے انجام دیں جس کو دنیا قبولیت کا درجہ دے۔شاہ بانو کیس میں فیکلٹی آف تھیالوجی کو آگے آکر ملک گیر سطح پر حل پیش کرنا چاہئے تھا۔ فیکلٹی آف تھیالوجی کو تین طلاق پر پارلیامنٹ کا فیصلہ آنے سے پہلے ہی اپنا شرعی موقف حکومتِ ہند کو پیش کر دینا چاہیے تھا۔ قومی یا بین الاقوامی سطح پر اسلام اور اس کے متعلق کوئی بحث شروع ہو تو اس میں آگے آکر حصہ لینا چاہئے تھا۔ سرسید کا مقصد یہی تھا اور اسی وجہ سے سر سیّد نے ان مسائل پر بحث میں خود حصہ بھی لیا تھا۔آکسفورڈ یونیورسٹی کی فیکلٹی آف تھیالوجی میں تاریخ، سماجیات، سیاسیات اور معاشیات کے بھی پروفیسر ہوتے ہیں لیکن ہم نے اپنے یہاں اس کو صرف پی ایچ. ڈی، ایم. ٹی. ایچ، اور بی. ٹی. ایچ تک محدود کر رکھا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی فیکلٹی آف تھیالوجی میں تاریخِ ہند اور دیگر سماجی علوم نہیں پڑھائے جاتے جب کہ اب پورے ہندوستان میں فیکلٹی آف لا میں ہندوستان کی تاریخ پڑھائی جا رہی ہے۔تھیالوجی کی کوئی کاؤنسل نہیں ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اربابِ حل و عقد اور اکیڈمک کاؤنسل کو اس پر غور کرنا چاہئے۔

مولانا آزاد کے ذہن میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا بڑا مقام تھا انہوں نے لکھا ہے

کہ ''جدید دور کے بہترین مسلمان ادیبوں نے یہاں سے توانائی حاصل کی، یہیں پر مسلم فکر کی تحقیق، تفسیر اور تجدید کے دبستان وجود میں آئے ۔ ۔ ۔ یہ علی گڑھ ہی تھا جہاں اصلاحی تحریکیں پائے تکمیل کو پہونچیں۔ اس کا شمار ہندوستان کے ان مقامات میں ہوتا ہے جس نے جدید ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کرتے ہوئے رہبری کے فرائض انجام دئے ہیں۔ انیسویں صدی ہندوستان کی نشاۃ ثانیہ کا دور تھا اور علی گڑھ اس کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا''۔ میں تو تاریخ کا طالب علم ہوں۔ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ نے جدید ہندوستان میں ماخذ کی روشنی میں نئے انداز سے تاریخ لکھی جس سے عہد وسطیٰ کی تاریخ کی سمجھ ہی بدل گئی۔ یہ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کا بڑا اہم کارنامہ ہے جس کی تصدیق لندن، کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے مورخین نے اپنے علمی کاموں میں کی ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کی شناخت پوری دنیا میں تھی۔ ان تحقیقی کاموں کو صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ انگلینڈ اور امریکہ کے مورخین نے بھی سراہا اور انہیں داد و تحسین سے نوازا۔ یہ تاریخ کے میدان میں علی گڑھ کا اہم کارنامہ ہے۔ بلاشبہ دیگر شعبوں میں اہم علمی کارنامے انجام دئے گئے ہوں گے لیکن میں ان سے واقف نہیں ہوں۔

مولانا آزاد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انجام دئے گئے کارناموں کی ستائش کر رہے ہیں کہ علی گڑھ کا جدید فکر کے احیا میں انتہائی اہم کردار رہا ہے۔ یہاں سے کئی کامیاب اصلاحی تحریکیں بھی شروع ہوئیں اور انھیں خاطر خواہ کامیابی بھی ملی۔ علی گڑھ نے جب ہندوستانی مسلمانوں کی رہبری کی یہ نشاۃ ثانیہ کا دور تھا جس کا مرکز علی گڑھ تھا۔ آج ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ ہم کہاں ہیں؟ کیا ہم سر سید کے خواب کو پورا کر رہے ہیں؟ کیا ہم مولاناآزاد کے مشوروں پر عمل کر رہے ہیں؟ میرے خیال میں اس کا جواب ہمیں دینا ہوگا۔

مولاناآزاد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بارے میں فرماتے ہیں ''بہر حال آپ کو یہ

نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ عظیم الشان ورثہ آپ کا ہے اور آپ ہی لوگ ہیں جنہیں علی گڑھ کے شاندار ماضی کی روایات کی تجدید کرنا ہے'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''جو کتبے آپ کے اسٹریچی ہال کی دیواروں پر کندہ ہیں ہو سکتا ہے کہ وقت کے ساتھ دھندلا جائیں۔'' مولانا آزاد کی نظر کتنی عمیق تھی کہ ان کے ذہن میں وہ کتبات بھی تھے جو سرسید نے اسٹریچی ہال میں نصب کروائے تھے لیکن نہ معلوم کیوں 2021 میں بلبن کا ایک کتبہ جو اسٹریچی ہال میں نصب تھا اس کو نکلوا لیا گیا اور اس کو میوزیم میں رکھوادیا گیا۔ اگر میوزیم میں ضرورت بھی تھی تو اس کی ایک ریپلیکا (Replica) بنوا کر بھی وہاں رکھوایا جا سکتا تھا۔ سرسید اور مولانا آزاد کی روح جب اسٹریچی حال میں جائے گی تو انہیں وہ کتبہ اب وہاں نہیں ملے گا۔ اگر کتبے نکلوانے ہیں تو مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد کی مرکزی محراب میں نصب کتبہ بھی نکلوالیں جو شاہجہاں کی بیوی اکبرآبادی بیگم کی مسجد کا ہے جس کو برطانوی فوج نے 1857 میں منہدم کر دیا تھا۔ اس کتبے کو سرسید نے نیلامی میں خرید کر علی گڑھ کی جامع مسجد کی تعمیر کے وقت اس کی مرکزی محراب میں لگوایا تھا۔ اسے بھی نکال کر میوزیم میں پہونچادیا جانا چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ فیصلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی کورٹ یا ایکزیکیوٹو کاؤنسل میں لیا گیا؟ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ نے اس سلسلے میں کوئی مشورہ دیا تھا؟ اس کی جگہ سرسید نے طے کی تھی اسی جگہ لگا رہنے دیا جانا چاہئے تھا اور 1958 اور 1972 کا ایکٹ بھی یہی کہتا ہے کہ کتبے جہاں کہیں بھی لگے ہوں وہیں لگے رہنے دینا چاہئے۔ مولانا آزاد مزید فرماتے ہیں ''مگر وہ کتبے جو علی گڑھ نے ہندوستان کے جدید دور میں کندا کیے ہیں وہ دھندلا نہیں سکتے۔ مستقبل کے مورخ علی گڑھ میں جدید ہندوستان کی تعمیر کے مآخذ تلاش کریں گے۔'' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا تعلیم کے میدان میں بڑا اہم کردار رہا ہے۔ آزادی کے بعد جدید ہندوستان میں یہ ایک عظیم اور بڑا علمی مرکز بن کر ابھرا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک کے تشنگانِ علم کو سیراب کیا۔ مجاز

نے کیاہی صحیح کہاہے۔

''جوابر یہاں سے اٹھے گاوہ سارے جہاں پر برسے گا''

دنیاکاکوئی بھی مورخ جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جدید ہندوستان کی تاریخ لکھے گاوہ جدید ہندوستان کی تعمیر میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کردار کے بارے میں ضرور لکھے گا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اس پر زور نہیں دیااور نہ ہی وہاں کے شعبۂ تاریخ نے یونیورسٹی کے تاریخی کارنامہ پر کوئی خاص کام کیا۔ اپنی بات کومزید آگے بڑھاتے ہوئے مولانافرماتے ہیں''ایک تعلیمی ادارہ جس کاماضی شاندار رہاہواس کا مستقبل بھی اتناہی شاندار ہوناچاہیے۔ مجھے علم نہیں کی آپ کی ذہنی حالت کیاہے؟ مجھے علم نہیں کہ آپ کے سامنے کون سے مناظر ہیں؟ لیکن میں آپ کو بتاناچاہتاہوں میں نے کون سے منظر دیکھے ہیں؟ ہو سکتاہے کہ آپ یہ سوچیں کہ وہ دروازے جو کھلے ہوئے تھے اب بند ہو چکے ہیں۔ مگر میں نے دیکھاہے کہ جو دروازے مقفل تھے وہ اب کھل گئے ہیں۔''مولاناآزاد مسلم یونیورسٹی کے ماضی سے حد درجہ متاثر ہیں اور مستقبل کے بارے میں اچھے حالات کے خواہاں ہیں۔ وہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ سے مخاطب ہیں کہ ''معلوم نہیں اب ان کی ذہنی حالت کیاہے؟''جدید دور اور سیکولر ہندوستان میں اب یونیورسٹی میں لوگ آزادانہ طور پر غور و فکر کریں گے اور انہیں اب محسوس ہو رہاہے کہ علی گڑھ نئی فکری و تحقیقی راہ پر گامزن ہے اور ویسے بھی آزاد ہندوستان میں مسلم تہذیب و ثقافت کے احیااور اس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی تھی اور ہے۔ علی گڑھ اور جامعہ نے جو کام انجام دیاہے وہ خوش آمد بھی ہے اور خوش آئند بھی۔

صرف علی گڑھ کے طلبااور دانشور ہی اس فکر میں نہیں تھے کہ آزاد ہندوستان میں ان کا کیا مقام ہو گا۔ حکومتِ ہند کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے یا بند ہوں گے۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے بہت سے فارغ طلبااور دیگر اداروں کے مسلم طلبااس خدشہ کی وجہ سے پاکستان چلے گئے کہ ہندوستان میں انہیں نوکریاں نہیں ملیں گی۔ لیکن جو طلبا یہاں رہے انہیں حکومت ہند میں اچھے مقامات اور عہدے حاصل ہوئے اور انہوں نے خوب ترقی کی۔ میری شریک حیات پروفیسر طلعت عزیز کے چچا سید احمد رضا صاحب جنہوں نے انجینیرنگ کی ڈگری حاصل کی تھی اسی وجہ سے پاکستان چلے گئے۔ لیکن انہیں کے کلاس فیلو میرے چچا سیّد زین العابدین عابدی صاحب بدستور یہیں مقیم رہے اور چیف انجینیر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ احمد رضا صاحب کو ہندوستان سے پاکستان اور پاکستان سے امریکہ ہجرت کرنی پڑی اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔ لیکن زین العابدین صاحب ہندوستان میں رہے اور انتقال کے بعد اپنے وطن جلالی، ضلع علی گڑھ میں واقع کربلا میں اپنے بزرگوں کے جوار میں آسودۂ خاک ہوئے۔ مولاناآزاد نے بالکل درست فرمایا تھا کہ ''سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لئے تیار نہیں ہو تو پھر کوئی طاقت تمہیں بھگا نہیں سکتی ہے۔''لیکن جب مسلمان خود ہی جانے لگے تو بھارت سرکار کیا کرتی؟ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے تو جوش ملیح آبادی کو پاکستان جانے سے بڑے سخت الفاظ میں منع کیا تھا۔ ایسے نہ جانے کتنے اور کیسیز ہوں گے۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے صاف طور پر اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ '' بری طرز حکومت (bad and corrupt form of Government)وہ ہے جو دمشق میں دارالخلافت منتقل ہونے کے بعد امیر معاویہ کے عہد سے شروع ہوئی جس کی بنیاد اقربا پروری، موروثی جانشینی، شخصی حکومت اور سلطنت آرائی کے غیر نیابتی طرز حکومت پر

بنی تھی۔اس میں سلطنت روم کے طریقہ کار کو اہمیت تھی اور بنیادی اسلامی قدریں اس میں مفقود تھیں۔''

سرسید نے مستشرقین کی لکھی ہوئی کتابوں کا تجزیہ کیا اور اسلام سے متعلق ان کے بیانات کا نہایت خوش اسلوبی سے جواب دیا۔ان دانشوروں کی کتابیں سرسید کی اپنی لائبریری میں تھیں جو بعد میں لٹن لائبریری کا حصہ بنیں اور آج بھی مولاناآزاد لائبریری میں موجود ہیں۔اگرآپ کسی دانشور کی فکر سے اتفاق نہیں رکھتے تو اس کی کتاب ہی نصاب سے نکال دیتے ہیں یہ سرسید کی فکر اور ان کی روش کا اتباع نہیں بلکہ اس سے احتراز ہے۔ہم اپنے اس رویہ سے سرسید کو خراجِ عقیدت نہیں پیش کر سکیں گے۔

مولاناآزاد شخصی حکومت کے لئے واضح الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ''اسلام کسی ایسے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتا جو شخصی ہو'' ظاہر ہے کہ شخصی حکومت کا کوئی تعلق نہ تو اسلام سے ہے اور نہ ہی جمہوریت سے ہے۔مولانا 661 میں خلافتِ راشدہ کے بعد قائم ہونے والی حکومتوں کو شخصی حکومت مانتے ہیں جس کا تعلق اسلام سے نہیں تھا۔ شخصی حکمرانی کی یہ صورت ہندوستان میں دہلی سلاطین، افغانوں اور مغلوں کے دور میں بھی قائم رہی۔ برطانوی حکمرانوں کا اقتدار بھی شخصی حکمرانی پر ہی مبنی تھا۔اس طرز حکومت کی مزید وضاحت مولاناآزاد ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ''اسلام مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو بھی منصفانہ تسلیم نہ کریں جو قوم کی رائے اور انتخاب سے نہ ہو۔'' مولانا رائے دے رہے ہیں کہ اگر کوئی مسلم حکومت ہی کیوں نہ ہو اگر وہ قوم کی استصواب رائے پر اور انتخاب شدہ نہ ہو تو مسلمانوں کو ایسی حکومت کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے،اس لئے کہ وہ غیر اسلامی ہے۔

مولاناآزاد مہاتما گاندھی سے کچھ معاملات میں اختلاف رائے رکھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''مہاتما گاندھی کی طرح میرا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ کسی بھی حال میں ہتھیار کا مقابلہ

ہتھیار سے نہیں کرنا چاہیے۔'' مہاتما گاندھی ہتھیاروں کے استعمال کے قطعی حامی نہ تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر ''انقلاب لانا ہو تو امام حسین سے سبق لو کہ بغیر کسی فوج کے ظالموں کے ظلم کا مقابلہ صبر کے ساتھ کیا۔'' مولاناآزاد کا کہنا تھا کہ ''اگر دشمن ہتھیاروں کا استعمال کرے تو اس کا جواب ہتھیاروں سے ہی دینا چاہیے۔'' لیکن اس کے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ ''میرا یقین ہے کہ ہندوستان عدم تشدد کی جدوجہد کے ذریعے فتح مند ہوگا اور اس کی فتح مندی اخلاقی و ایمانی طاقت کی فتح مندی کی ایک یادگار مثال ہوگی۔'' نان وائلنس (عدم تشدد) میں یقین رکھنے کا مطلب تھا کہ ہم امن وامان اور صلح و آشتی کے ساتھ اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کریں اور کسی کو بھی نقصان نہ پہنچے۔ تشدد سے دونوں طرف کے لوگوں کا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے، لیکن عدم تشدد کا راستہ آزادی کی تحریک میں بڑا مشکل راستہ ہے۔

مولانا نے جہاد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ''جہاد کے معنی یہ ہیں کہ دفعِ اعدا میں اپنی جان ومال سے کمال درجہ سعی و محنت کرنا۔ کیا دنیا میں کوئی قوم، کوئی ملک، کوئی جماعت، کوئی قبیلہ، کوئی خاندان، کوئی گھر، کوئی انسان بلکہ کوئی وجود اور زندگی بغیر جہاد کے زندہ و قائم رہ سکی ہے۔ کون ہے جو زندہ رہنا چاہتا ہے اور جہاد نہیں کرتا؟ جس چیز کو تم ہزاروں ناموں اور لفظوں میں بولتے ہو اور کارزار ہستی میں بقا اور قیام کی اصل بنیاد سمجھتے ہو اس کو اسلام نے ایک جامع لفظ ''جہاد'' سے تعبیر کیا ہے۔'' مولانا نے جہاد کی صحیح تشریح کی ہے۔ آج جس کو جہاد کہا جارہا ہے وہ اسلامی احکام و شریعت کے دائرہ سے باہر ہے۔ طالبان کا جہاد بھی غیر اسلامی اور بربریت پر مبنی ہے۔

مولاناآزاد ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے اور اس کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ ''ہندو مسلم اتحاد تعمیرات کی وہ پہلی بنیاد ہے جس کے بغیر نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان کی وہ تمام باتیں جو کسی ملک کے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لئے ہو سکتی ہیں اس

کے بغیر قومی آزادی نہیں مل سکتی۔ ظاہر ہے کہ بغیر اتحاد کے کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی ملک ترقی کر سکتا ہے۔''

مولاناآزاد ایک کھلا ذہن اور وسیع فکر رکھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''مجھے یہ جان کر بڑا افسوس ہوا کہ ڈاکٹر شیاما پرساد مکھر جی کا سری نگر میں انتقال ہو گیا۔ 1935 سے ان کے ساتھ میرے گہرے مراسم تھے نظریاتی طور پر ہمارے درمیان اختلاف تھا لیکن دوسری طرف ہم دوست تھے۔'' دونوں چیزوں کو علاحدہ رکھنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

آزادی کے سلسلے میں مولاناآزاد لکھتے ہیں کہ ''اسلام کی تعلیم اس کی کتاب میں موجود ہے وہ کسی حال میں بھی جائز نہیں رکھتی کی آزادی کھو کر مسلمان زندگی بسر کریں۔ مسلمانوں کو مٹ جانا چاہیے یا آزاد رہنا چاہیے۔ تیسری راہ اسلام میں کوئی نہیں۔'' اسلام نے آزاد رہنے کا سبق دیا ہے۔ ہم نے یہی دیکھا کہ نواسہ رسول ﷺ نے شہادت قبول کر لی لیکن ایک مطلق العنان حکمران سے بیعت کر کے اپنی آزادی کو کھونا منظور نہیں کیا اور راہ خدا میں اپنے اقرباء واصحاب کی شہادت قبول کر لی۔

سیاست کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں ''ایشیا میں ہمیشہ پولیٹیکس مذہب کی آڑ میں رہی ہے اور ہزاروں خوں ریزیاں جو پولیٹیکل تلوار سے ہوئی ہیں انہیں مذہب ہی کی چادر اوڑھا کر چھپایا گیا ہے۔'' ایشیا میں کیا پوری دنیا میں مذہب کا استعمال تمام سیاسی ضرورت کے تحت کیا گیا ہے۔ مذہب کی آڑ میں اس قدر خون خرابہ ہوا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ برطانوی سرکار نے ہندوستان میں ہندو مسلم یونٹی کو سخت نقصان پہنچایا اور اس کو کمیونل رائٹس (مذہبی دنگوں) میں تبدیل کر دیا۔ آج بھی پوری دنیا میں مع ہندوستان کے مذہب کا استعمال سیاست میں کیا جارہا ہے۔ مولانا کہتے ہیں ''میرا یقین ہے کہ ہندوستان نان وائلینس کی جدوجہد کے ذریعے فتح مند ہو گا اور اس کی فتح مندی اخلاقی وایمانی طاقت کی فتح مندی کی ایک یادگار

مثال ہو گی۔'' دراصل مہاتما گاندھی نے نان وائلینٹ تحریک آزادی کا نعرہ دیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ذرہ برابر بھی ہماری طرف سے تشدد ہو۔

سن 680 عیسوی میں کربلا کا المناک واقعہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔رسول اللہ ﷺ کے نواسے حضرت امام حسینؓ کو شہید کر دیا گیا۔ مولاناآزاد نے اس موضوع پر کافی لکھا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ ''کسی روح کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ محبت حسینؑ کی مدعی ہو جب تک کہ اسوہ حسینی کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر سے ثبوت نہ دے'' مولانا کا کہنا ہے لیکن اگر آپ حسینؑ کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتے تو پھر وہ دعوی محض دعویٰ ہی رہ جاتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم امام حسینؑ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔امام حسین نے اسلامی اقدار اور آزادی کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی اور اپنی جان بھی قربان کر دی تو اگر ہم حسینی ہیں تو ہمیں امام حسین کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرنا ہو گا۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے سلسلے میں فرماتے ہیں ''ہندو مسلم اتحاد ہماری تعمیرات کی وہ پہلی بنیاد ہے جس کے بغیر نہ صرف ہندوستان کی آزادی بلکہ ہندوستان کی وہ تمام باتیں جو کسی ملک کے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے ہو سکتی ہیں، ادھوری ہیں۔اس کے بغیر ہمیں قومی آزادی نہیں مل سکتی بلکہ اس کے بغیر ہم انسانیت کے ابتدائی اصول بھی اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے۔''

مولانا ہمیشہ صاف گوئی کے لیے مشہور تھے وہ لکھتے ہیں''ہندوستان کے لئے، آزادی کے لئے، صداقت اور حق پرستی کے بہترین اور اعلی فرائض ادا کرنے کے لیے، ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کا اتحاد اور ان کی یکجہتی ضروری ہے۔''

مولاناآزاد مزید فرماتے ہیں ''ہندوستان میں دوسرے علاقوں سے آکر لوگ آباد ہوئے اور مسلمان بھی آئے اور آباد ہوئے۔'' آگے مولاناآزاد مزید لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان کی

سرزمین سب کا استقبال کرتی رہی اور اس کی فیاض گود نے سب کے لیے جگہ نکالی۔ان ہی قافلوں میں ایک آخری قافلہ پیروانِ اسلام کا بھی تھا۔یہ بھی پچھلے قافلوں کے نشان راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا اور ہمیشہ کے لئے یہیں بس گیا۔یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملن تھا۔''

دسویں صدی سے مشائخ ہندوستان آئے پھر ترک افواج آئیں اور پھر 1206 میں دہلی سلطنت قائم ہوئی لیکن سلاطین اور علما نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی وجہ سے ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے قریب آتے، البتہ صوفیا نے اپنی خانقاہوں کے دروازے تمام لوگوں کے لئے کھول دئے۔کسی بھی سماج، دھرم، ذات اور طبقے سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی فرد صوفیا کی خانقاہوں میں آسکتا تھا۔ صوفیا نے عام لوگوں کی مقامی زبان اور بولیوں کو سیکھا اور انہیں کی زبان میں مقامی لوگوں سے بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔اس افہام و تفہیم سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا قائم ہوئی۔ مغل بادشاہ اکبر (1556-1605) کی صلح کل کی پالیسی نے اسے مزید تقویت بخشی۔ اس نے راجپوتوں کو مغل سسٹم کا حصہ بنایا۔ان کے شایانِ شان انہیں منصب عطا کئے۔ مذہبی (تیرتھ یاترا) ٹیکس اور جزیہ معاف کیا۔ اس طرح ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے قریب آئے۔ بلاشبہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینے میں صوفیائے کرام نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ اورنگ زیب (1658-1707) نے ہندوؤں پر تیرتھ یاترا ٹیکس اور جزیہ دوبارہ نافذ کر دیا جس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو سخت نقصان پہونچا جب کہ اسلامی فقہ میں تیرتھ یاترا ٹیکس ہے ہی نہیں۔ سر سیّد پہلے مسلم دانشور تھے جنہوں نے اورنگ زیب کے جزیہ نافذ کرنے کی سخت تنقید کی اور اس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو جو نقصان پہونچا اس کی نشاندہی اپنی کتاب *اسباب بغاوت ہند* میں کی ہے۔ مولانا آزاد اورنگ زیب کے بارے میں لکھتے ہیں۔''تمام مدت عالمگیر کو راحت و

اطمینان کے دن نصیب نہ ہوئے۔'' مغل حکومت ایک شخصی حکومت تھی جس کا کوئی تعلق اسلامی طرز حکومت سے نہیں تھااور جب اسلامی حکومت نہیں تھی تو پھر ہندوؤں سے جزیہ وصول کرنے کا کوئی جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صوفیا نے تعلیم و تعلم کے فروغ میں بھی کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ان کا ماننا تھا کہ تعلیم ہی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا سبب بنے گی۔

مولاناآزاد نہ صرف تعلیم کی اہمیت سے واقف تھے بلکہ انہوں نے تعلیم کے احیاپر کافی زور بھی دیا۔وہ فرماتے ہیں کہ ''میں سمجھتاہوں کہ ہمارے لئے ہر حال میں مقدم کام عوام کی تعلیم ہے۔ یہی کام سب سے زیادہ ضروری ہے اور اسی کی طرف سے ہمیشہ اغماز کیا گیا ہے۔'' دراصل علم ہی تمام چیزوں کا حل ہے۔ علم دل ودماغ کو روشن کرتاہےاور انسانیت کے راستہ پر چلنے کی رہنمائی کرتاہے۔

مولاناآزاد فرماتے ہیں ''ملک کی بھلائی طالب علموں کے ہاتھوں میں ہےاور طالب علم اپنافرض اس قیمتی وقت میں ادانہیں کریں گے توان کا ملک اپنی موجودہ حالت سے نجات نہیں پائے گا''۔ وہ لکھتے ہیں ''تجربات سے یہ ظاہر ہواہے کہ ثقافتی اور لسانی معاملوں میں اتفاق حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ موجودہ تنوعات کو قبول کر لیاجائے۔'' ظاہر ہے کہ مولاناآزاد کو ہندوستان میں نوجوان طالب علموں سے بڑی توقعات تھیں اس لئے کہ ہر قدم پران کی ضرورت تھی۔ دوسری بات یہ کہ ہم آپس میں تہذیب وثقافت اور زبان سے جڑے سوالات کو حل کرلیں۔تب ہی یکجہتی ممکن ہوگی۔

انڈین کاؤنسل برائے تہذیبی تعلقات کے جلسے میں پاکستان کے مندوبین پہلی مرتبہ شریک ہوئے توانہیں خوش آمدید کہتے ہوئے مولانانے فرمایا ''ہم سیاسی اسباب سے علیحدہ ہوگئے ہیں لیکن ہم ایک ہیں اور ہماری تہذیبی زندگی ایسی ہے کہ اگراسے تقسیم کیا گیاتو دونوں کو نقصان پہونچے گا۔'' مولاناآزاد کو اس بات کا خیال بڑی شدت سے تھا کہ کچھ سیاسی

حالات کی بناپر ہم تقسیم ہو گئے ہیں لیکن ہم ایک ہیں اور ہمارا تہذیبی ورثہ بھی ایک ہے۔ مولاناآزاد کے بعد بھی بہت سے سیاسی رہنمااور دانشوراسی بات کو دہراتے رہے لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ 1947 کی تقسیم ہند کے نتیجے میں کشت وخون، قتل وغارت گری، لوگوں کے گھروں کی بربادی اور ترکِ وطن نے بڑی تلخیاں پیدا کر دی تھیں، وہ تلخیاں آج بھی بدستور برقرار ہیں۔اسی کے ساتھ ہم نے 1965 اور 1971 میں دو جنگیں لڑیں جس کے نتیجے میں دونوں طرف جانی ومالی نقصان ہوا۔

مولاناآزاد نے 1910 میں حیات سرمد تصنیف کی اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ''جب عشق آتا ہے تو عقل و حواس سے کہتا ہے کہ میرے مال و متاعِ تجارت کو بھی غارت کر دیا۔ دنیاوی تعلقات میں سے جسم پوشی کی بیڑی باقی رہ گئی تھی، بالآخر اس بوجھ سے بھی پاؤں ہلکا ہو گیا ۔ ۔ ۔ جب اس کو کوئی بہانہ نہ ملا تو عریانی و برہنگی کو کہ خلاف رسمِ شرع ہے بنیاد قرار دیا ۔ ۔ ۔ یہ (علمائے) ظاہر پرست نہیں جانتے تھے کہ سرمد کا مقام اس سے بہت اونچا ہے کہ کفر والحاد کی بحثیں سنائی جائیں اور وہ قتل وخون کے احکام سے مرعوب ہو۔ کفر ساز تو اپنے مدرسہ ومسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر سوچتے تھے کہ اس کی کرسی کتنی اونچی ہے اور وہ اس منارۂ عشق پر تھا جہاں کعبہ ومندر بالمقابل نظر آتے ہیں اور جہاں کفر وایمان کے علم ایک ساتھ لہراتے ہیں۔'' مولانا سرمد سے حد درجہ متاثر تھے وہ علمائے ظاہر پرست کی جنہوں نے فتوی الحاد پر دستخط کئے تھے، سخت الفاظ میں تنقید کرتے ہیں۔اس کے بعد لکھتے ہیں ''یہ سرمد کے خون ہی کی نیرنگیاں تھیں کہ تمام مدت عالمگیر کو کبھی راحت واطمینان کے دن نصیب نہ ہوئے یہاں تک کہ پیغام اجل بھی آیا تو عالمِ غربت وپریشانی میں۔'' یہ وہ دور تھا جب مسلم مورخین اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد اورنگ زیب کی طرف جھکاؤ رکھتی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی نے تو ایک رسالہ ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر میں'' اورنگزیب کے دفاع میں

لکھ دیا۔ میں نے اپنے ایک مضمون میں مولانا شبلی کے اس رسالے کا ماخذوں کی روشنی میں تجزیہ کیا ہے۔ لیکن مولاناآزاد کی سوچ ان تمام علما سے الگ تھی۔ مولانا کو ان سب سے اختلافِ رائے تھا اور انہوں نے واضح الفاظ میں لکھا کہ سرمد کے ساتھ اورنگزیب نے ظلم کیا۔

مولانا مالابار (کیرلا) کے موپلا مسلمانوں کے رویے کے بارے میں لکھتے ہیں ''اگر وہاں (موپلا) مسلمانوں نے محض اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے یا ان سے (ہندو ہم وطنوں سے) انتقام لینے کے لیے ظلم و جبر کر کے مسلمان بنانا چاہا ہے تو ہم میں سے ہر شخص جسے شریعت کا علم ہے اس کا اعلان کرے گا کہ ان کا ایسا کرنا شریعت کا عمل نہیں ہے بلکہ شریعت کی توہین ہے۔'' ظاہر ہے کہ کسی بھی شخص کو زبردستی مسلمان بنانا شریعت کے خلاف ہے۔ مولانا کے مزاج میں اعلیٰ درجہ کی صداقت، سچائی، حق گوئی اور بے باکی تھی۔ وہ بلا کے انصاف پسند تھے۔ اگر کوئی مسلمان کوئی غلط کام کرتا نظر آیا تو انہوں نے اس کی بھی کھل کر تنقید کی اور واضح اور صاف الفاظ میں اس کی مذمت کی۔

بسا اوقات ان سے بشری لغزشیں بھی سرزد ہوئیں۔ جب سعودی حکمراں عبد العزیز بن سعود نے خلفا، ائمہ، اصحاب اور اہل بیت کے قبروں کی عمارات کو گرانا شروع کیا تو اس پر مولانا اپنی رائے دیتے ہیں ''اگر کسی مقدس ہستی کی کوئی یادگار اس درجے کو پہنچ جائے کہ لوگ اس کی پرستش کرنے لگیں اور اس سے مرادیں مانگنے لگیں تو اس یادگار کو نابود اور ناپید کر دینا بھی لازم ہے'' مولاناآزاد سعودی حکمراں عبدالعزیز کے اس فیصلے کی تائید کر رہے ہیں۔ وہ تو خود ہندوستان میں حکومت کا حصہ تھے اور وزیر کے عہدے پر فائز تھے۔ اجمیر، دہلی اور دیگر جگہوں پر صوفیا کی درگاہیں ان کے عہد میں موجود تھیں تو کیا وہ یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ ان صوفیاء کرام کی درگاہوں کو منہدم کروا دیتے۔ عبد العزیز موروثی بادشاہ تھے۔ کیا اسلام موروثی بادشاہت کی اجازت دیتا ہے؟ چنانچہ پہلے مولاناآزاد سعودی عرب میں غیر اسلامی

موروثی بادشاہت کو ختم کراتے اس کے بعد یہ فیصلہ کرتے۔ مولانا خود اپنے ایک خط میں لکھ چکے ہیں کہ ''بری طرزِ حکومت جو دمشق میں دارالخلافہ منتقل ہونے کے بعد امیر معاویہ کے عہد سے شروع ہوئی جس کی بنیاد خاندانی جانشینی، شخصی حکومت، اور سلطنت آرائی غیر نیابتی طرزِ حکومت پر مبنی تھی۔'' عبد العزیز ابن سعود کی حکومت کی بنیاد بھی موروثی بادشاہت تھی۔ غلط طرح سے اقتدار حاصل کرنے والوں کو یہ حق کہاں سے پہونچتا ہے کہ وہ کسی کے غلط کام پر انگلی اٹھائیں۔ اصل مسئلہ تو موروثی بادشاہت کا ہے، چاہے وہ امیر معاویہ ہوں یا سعودی حکمراں ہوں، دونوں کی نوعیت ایک ہے۔ دراصل ہم حقیقی اور بنیادی سوالوں سے بچتے رہے ہیں۔ موروثی ملوکیت آج بھی سعودی عرب میں قائم ہے۔ سعودی عرب میں خلفا، ائمہ، اصحاب اور اہل بیت کے مزارات ہماری مذہبی اور ثقافتی زندگی کا حصہ تھے جس کو سعودی حکومت نے مسمار کروادیا۔ ضیاء الدین انصاری مولانا پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اسلامی یادگاروں کے انہدام کے حامی بالآخر موسیقی اور شاعری اور پیکر تراشی اور مصوری کے درمیان حسن کے مرکز کی مداحی کھلے بندوں کرتے ہیں۔''

مولانا آزاد فرماتے ہیں ''اب مسلمان بھائیوں کو سنانا چاہتا ہوں کہ خدا کی آواز کے بعد جو سب سے بڑی آواز ہو سکتی ہے وہ حضرت محمد ﷺ کی زبان تھی۔ اس وجود مقدس نے جو صلح نامہ لکھا ہو بہو اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ''ہم ان تمام قبیلوں سے جو مدینہ کے اطراف میں بستے ہیں صلح کرتے ہیں اتفاق و اتحاد کرتے ہیں اور ہم سب مل کر ایک نیشن بننا چاہتے ہیں۔'' دراصل مولانا آزاد ۶۲۲ کے دستورِ مدینہ کی بات کر رہے ہیں اور اسی بنیاد پر ان کا کہنا تھا کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگ جن کا مختلف مذاہب سے تعلق ہے ایک نیشن بن سکتے ہیں۔ اس کا ایک ماڈل ہمیں دستورِ مدینہ میں ساتویں صدی عیسوی میں ملتا ہے۔ تو پھر اس کو ہم آج کیوں نہیں اپنا سکتے۔ ہم کو مسلمانوں کے لئے علاحدہ ملک کیوں چاہئے؟

خواجہ حسن نظامی نے مولاناآزاد سے تین سوالات کئے تھے یہ سوالات اور ان کے جوابات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مولانا کے تمام جوابات سے ان کے افکار و خیالات اور مذہبی بصیرت بھی آشکار ہوتی ہے:

۱. یاآپ کرامات اولیاء کے قائل ہیں؟ جی ہاں میں قائل ہوں۔

۲. کیاآپ نے کوئی کرامت حضرت خواجہ اجمیری میں دیکھی ہے؟ اس کا اتفاق نہیں ہوا؟

۳. آپ اجمیری خواجہ صاحب کی درگاہ اور عرس کو کس حیثیت سے آج کل مفید سمجھتے ہیں؟

مولاناآزاد کا جواب تھا کہ ایک اتنا بڑا مذہبی اجتماع کیوں نہ مفید ہو البتہ ضرور ہے کہ اصلاح کی جائے نیز ضروری تبدیلیاں ہوں۔ مولاناآزاد کے ان مثبت جوابات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا کرامات اولیاء اللہ کے قائل تھے اور تصوف اور صوفیا کے بھی قائل تھے صوفیا کی درگاہوں پر جو اعراس ہوتے تھے اس کی اہمیت کے بھی قائل تھے۔ لیکن اس میں کچھ اصلاح کے حامی تھے۔ اس لئے کہ اتنے بڑے اجتماع میں لوگوں کو حقائق سے آشنا کر دیا جائے تاکہ ان کی اصلاح ہو سکے۔ ان کا اپنا تعلق بھی صوفی خاندان سے تھا۔ یہ جوابات اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ تصوف کے قائل تھے۔ بے باکی، حق گوئی اور قربانی کا یہ جذبہ انہیں اپنے صوفی بزرگوں سے میراث میں ملا تھا۔ انہوں نے ملک کی آزادی کے لیے عظیم قربانی دی۔

مولانا علی گڑھ تحریک پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ''علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کو عضوِ شل بنا دیا ہے آج کوئی وطنی یا مقامی تحریک مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ خواہ وہ یونیورسٹی کا افسانہ ہی کیوں نہ ہو۔'' مولانا علی گڑھ تحریک کے شاکی ہیں کہ اس کے برے اثرات مسلمانوں پر پڑ رہے تھے۔ مولانا اس حد تک جاتے ہیں کہ اس تحریک نے مسلمانوں کے ذہن کو مفلوج کر دیا ہے۔

مولانا علی گڑھ کے طلباء کے بارے میں لکھتے ہیں ''علی گڑھ کے کسی طالب علم نے کالج نہیں چھوڑا''ان تمام باتوں کا مولانا کو سخت افسوس تھا کہ آزادی کی تحریک میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباد لچسپی نہیں رکھتے تھے۔

اردو زبان کے سلسلہ میں مولاناآزاد فرماتے ہیں کہ ''اردو زبان جب ہی ترقی کر سکتی ہے اور عالمی زبان بن سکتی ہے جبکہ اس میں باضابطہ تراجم،علوم وفنون کا سلسلہ قائم کیا جائے۔جدید علم کے ہر صیغے کی مبسوط اور جامع کتابیں ترجمہ کی جائیں۔علوم وفنون کا کوئی پہلو یورپ کی زبانوں میں ایسانہ ہو جس کا ترجمہ اردو میں موجود نہ ہو۔جب تک اردو میں ایسا منظم سلسلہ قائم نہ ہوگااس کی علمی ترقی محال ہے۔'' آج ہندوستان کے تقریباًہر صوبے میں اردو اکادمی موجود ہیں اور وہ کتابیں بھی شائع کرتے ہیں جن میں زیادہ تر شعرا کے کلام،افسانے وغیرہ شائع ہوتے ہیں۔یہ اردواکادمیاں مولانا کی ہدایات پر قطعی عمل نہیں کر رہی ہیں۔

خواجہ حسن نظامی مولانا کی اردو پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں ''مولانا آزاد کا اسٹائل جس میں عربی فارسی کی بھرمار ہے اردو کا قاتل اسٹائل ہے اگراردو کو زندہ رکھنا ہے اور ترقی کرنی ہے تواسے عام فہم بننا ہوگا۔'' سرسید نے بھی یہی بات کہی تھی اوراس پر عمل کیا کہ اردو کی بقااسی میں ہے کہ اسے سادہ اور عام فہم بنانا ہوگا۔سرسید نے خودآسان اردو میں مضامین لکھے تاکہ ان کا پیغام عام لوگوں تک پہونچے۔صوفیانے بھی آسان مقامی زبان کا استعمال کیاتاکہ وہ عوام کو سمجھا سکیں۔

مولانا لکھتے ہیں کہ ''بڑی مصیبت یہ ہے کہ علماء کی جستجو کی جاتی ہے تو ہر طرف سناٹا نظر آتا ہے۔'' کمال کی بات ہے کہ اس دور میں بھی قحط الرجال تھا۔واقعی متقی وپرہیزگار علما کا فقدان تھا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ ''آپ ہی کے بزرگوں نے شجاع الدولہ کی فوج بن کر حافظ رحمت خان کو قتل کیا'' دراصل یہ کہانی بنگال سے شروع ہوئی۔ میر جعفر نے سراج الدولہ

کے ساتھ غداری کی۔ نظام نے ٹیپو کے مقابلے میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اٹھارہ سو ستاون میں بہت سے مسلمانوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ بیگم بھوپال، نواب رام پور یہ سب انگریزوں کے ساتھ تھے۔اس وقت ہندوستان کے مسلم حکمرانوں میں کوئی سمجھ ہی نہ تھی ان کے سامنے اپنے ذاتی مفادات تھے ۔مولانا نے صرف ایک کیس کی نشاندہی کی ہے جب کہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسے تمام کیسز کی نشاندہی ہونی چاہیے تھی۔ شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں کی بات کرنے سے شیعہ سنی اختلاف سامنے آتا ہے۔ان دونوں کے آپسی اختلافات ضرور تھے لیکن اس کا کوئی تعلق شجاع الدولہ کی شیعیت اور حافظ رحمت کے سنّی ہونے سے نہیں تھا۔ اس طرح کے جملوں سے فرقہ واریت کو بڑھاوا ملتا ہے۔ مولانا ایک طرف تو آپسی اختلافات کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایسی مثالیں دے رہے ہیں جن سے ان اختلافات کو بڑھاوا ملے۔ مولاناآزاد نے ایک اور واقعہ یوں لکھا ہے کہ ''ڈاکٹر سیّد اعجاز حسین نے برطانیہ سے پی. ایچ .ڈی. کی ہے۔ جب وہ واپس آئے تو ہگلی کے امام باڑے کی تولیت پانچ سو روپیہ ماہوار مع رہائش کے مل گئی اور جب شیعہ پولیٹکل کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ شیعوں کو بھی کانگریس میں شامل ہونا چاہئے تو اعجاز حسین بھی بنگال کے کچھ شیعوں کے ساتھ کانگریس میں شامل ہو گئے۔ یہ بات بنگال کے وزرا کو پسند نہیں آئی انہوں نے کانگریس چھوڑنے پر مجبور کیا۔ جب انہوں نے ان کی بات نہیں مانی تو انہیں متولی کے عہدے سے ہٹادیا گیا''مولانا کو صرف ہندو مسلم اتحاد کے لئے ہی نہیں بلکہ شیعہ سنّی فرنٹ پر بھی کام کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک اور خط میں مولانا لکھتے ہیں ''محرم نے شیعوں میں ایک عظیم قوت پیدا کی ہے'' مولانا کا یہ جملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔آیت اللہ خمینیؒ نے 1979 میں اپنی تحریک میں جو نعرہ دیا تھا وہ ''کلُّ یوم عاشورہ'' کا تھا۔ اسی نعرہ نے ایرانی عوام میں آزادی کی تحریک اور یکجہتی کی

قوت پیدا کی اور ایران کی وہ شہنشاہیت جس کی پشت پناہی امریکہ جیسا طاقتور ملک کر رہا تھا، ختم ہو گئی اور ایران کو موروثی بادشاہت سے نجات مل گئی۔

مولانا لکھتے ہیں کہ ''عرب میں صرف ایک ہی طاقت ایسی تھی جو شریف مکہ سے ٹکر لے سکتی تھی، یہ طاقت نجد کے سلطان ابن سعود کی تھی۔ مجھے پوری امید تھی کہ عرب ممالک کی عام رائے جب شریف مکہ کے خلاف بھر جائے گی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے نام سے مناسب موقع پر ابن سعود کو ابھارا جائے گا تو شریف مکہ کا خاتمہ کر ڈالے گا اور شریف کے خاتمے کے ساتھ حجاز بھی انگریزی اقتدار سے آزاد ہو جائے گا۔'' مولانا ایک خواب دیکھ رہے تھے۔ حکومت ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل ہو گئی۔ سعودی عربیہ آج تک انگریزوں اور امریکیوں کا غلام ہے۔ وہ نہ کبھی آزاد ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ ایک اور مسئلہ پر مولانا لکھتے ہیں کہ ''غور کیجئے اگر اس مضمون کا ترجمہ ہندوستان کے اخبارات میں شائع کر دیں تو مسئلۂ خلافت کی تحریک پر کیا اثر پڑے گا۔ تمام یورپی اخبارات تو یہی کہہ رہے ہیں کہ ینگ ٹرک ملحد ہیں اسلام سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ اس کی ایک شہادت آپ نے بھی دے دی ایسی شہادت جس میں یہاں تک لکھا ہے ''اباحوالہتک وکذا فجور النسا المسلمات'' (انہوں نے تمہارے خداوؤں اور مسلم خوتین کی بے حرمتی کو جائز قرار دیا ہے) مسلم خواتین کی بے حیائی کا عام مسلمانوں پر کیا اثر پڑے گا؟ ہندوستان کے علماء تو پہلے سے نوجوان ترکوں کے خلاف مستعد ہو رہے ہیں۔ خدا کے لیے مجھ پر رحم کیجئے اور یہ مضمون شائع نہ کیجئے۔'' یہ تھی خلافت تحریک کی حقیقت جس کے لیڈر مولانا محمد علی تھے۔ کس طرح سے ہندوستانی مسلمانوں کو خلافت تحریک میں شامل کیا گیا انہیں ان حقائق کا علم ہی نہ تھا۔ سید رشید رضا کا ترجمہ کیا ہوا مضمون حقائق پر مبنی تھا جس کو مولانا آزاد نے سیاسی مفادات کی خاطر شائع ہونے نہیں دیا۔

مولانا آزاد نے مہاتما گاندھی کو لکھا ''میں پاکستان کے خلاف رہا ہوں اور اب بھی ہوں کبھی بھی مسئلہ پاکستان سے میری مخالفت اتنی زیادہ نہیں رہی جتنی آج ہے مجھے یہ جان کر تکلیف ہوئی کہ جواہر لال اور سردار پٹیل نے بھی اپنی شکست تسلیم کرلی اور ہتھیار ڈال دیئے۔اب آپ (مہاتما گاندھی) میری آخری امید ہیں اگر آپ بھی بدل گئے تو مجھے ڈر ہے کہ ہندوستان کہیں کا نہ رہے گا۔''

مولانا آزاد نظریۂ پاکستان کے سخت مخالف تھے لیکن دوسرے بڑے لیڈران نے قیام پاکستان اور تقسیم ہند سے اتفاق کرلیا۔اس فیصلہ کے بعد جب کچھ مسلمانوں نے ہندوستان سے ہجرت کا فیصلہ کرلیا تو اس پر مولانا نے کیا کہا۔ ''آپ مادرِ وطن چھوڑ کر جارہے ہیں آپ نے سوچا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔آپ کے اس طرح فرار ہوتے رہنے سے ہندوستان میں بسنے والے مسلمان کمزور ہو جائیں گے اور ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے جب پاکستان کے علاقائی باشندے اپنی اپنی جداگانہ حیثیتوں کا دعوی لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔بنگالی، پنجابی ،سندھی ،بلوچ اور پٹھان خود کو مستقل قومیں قرار دینے لگیں۔کیا اس وقت آپ کی پوزیشن پاکستان میں بن بلائے مہمان کی طرح نازک اور بے کسانہ نہیں رہ جائے گی۔ہندو آپ کا مذہبی مخالف تو ہو سکتا ہے، قومی اور وطنی مخالف نہیں، آپ اس صورتِ حال سے نمٹ سکتے ہیں۔ مگر پاکستان میں آپ کو کسی وقت بھی قومی اور وطنی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔جس کے آگے آپ بے بس ہو جائیں گے۔'' ایسا لگتا ہے کہ مولانا کے سامنے تاریخ بھی تھی اور مستقبل کا خاکہ بھی موجود تھا۔کچھ مسلمانوں کے پاکستان چلے جانے سے مسلمانوں کی ہندوستان میں طاقت کم ہو گئی۔ پاکستان میں علاقائی تحریکیں مہاجرین کے خلاف شروع ہوئیں۔ شیعہ سنی اختلافات بڑھے اور مہاجر شیعوں کو پریشان کیا گیا اور حد یہ ہوئی کہ ان کو قتل بھی کیا گیا۔ایک

بڑی تعداد مغربی ممالک انگلینڈ، کناڈااور امریکہ ہجرت کر گئی اور جو مہاجرین پاکستان میں رہ گئے وہ طرح طرح کی پریشانیوں کا شکار ہوئے۔

ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت سیکولرذہن رکھتی ہے اور یہاں ایک ملی جلی تہذیب ہے۔ پھر ۱۹۷۱ میں ایک تحریک زبان اور کلچر کے نام پر مشرقی پاکستان میں شروع ہوئی اور بنگلہ دیش بن گیا۔ جیسا کہ مولانا نے کہا تھا''اپنی اپنی جداگانہ حیثیت کا دعویٰ لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچ اور پٹھان۔'' بنگلہ دیش کو بنگالیوں نے اپنی اسٹیٹ بنالیااور دوسرے لوگ سخت عصبیتوں کا شکار ہوئے اور بقول مولانا''اِس وقت آپ کی پوزیشن پاکستان میں بن بلائے مہمان کی طرح نازک اور بے کسانہ نہیں رہ جائے گی۔''مغربی پاکستان میں مہاجرین مشکلات کا شکار ہوئے اور بنگلہ دیش میں بھی مہاجرین طرح طرح کی اذیتوں کا شکار ہوئے۔ پاکستان کے قیام اور مسلمانوں کا مغربی اور مشرقی پاکستان جانے کا یہ بھیانک نتیجہ نکلا۔

مولاناآزاد تقسیم ہند کے شدید مخالف تھے وہ لکھتے ہیں''اب جبکہ سردار پٹیل بلکہ جواہر لال نہرو بھی تقسیم کے حامی بن گئے ہیں تو میری واحد امید گاندھی جی میں باقی رہ گئی تھی سردار پٹیل اور جواہر لال نہرو کے تقسیم ہند کے فیصلے سے اتفاق کے بعد مولانا اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے۔ اب انہوں نے اپنی آخری امید میں مہاتما گاندھی کو لکھا کہ ''میں تقسیم کے خلاف رہا ہوں اور اب بھی ہوں تقسیم کے بارے میں میری مخالفت کبھی اتنی شدید نہیں تھی جتنی آج ہے اب میری واحد امید آپ میں باقی رہ گئی ہے'' مولانا آگے لکھتے ہیں''جب میں گاندھی جی سے ملا تو مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھچکا لگا کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ وہ بھی بدل گئے ہیں انہوں نے بھی وہی دلیلیں دہرانی شروع کر دیں جو سردار پٹیل پہلے ہی دے چکے تھے۔'' ہمارے سنی اور شیعہ علما جو جمعہ اور عیدین کے خطبے دے رہے تھے انہوں نے

شیعہ اور سنی مسلمانوں کی رہنمائی نہیں کی۔ ایسا لگتا ہے کہ انہیں اس سے کوئی تعلق ہی نہ تھا ۔وہ تو اپنے خطبوں میں حضرتِ یوسف علیہ السلام اور دوسرے انبیا کے قصے سناتے رہے۔ نتیجتاً جو جس کی سمجھ میں آیا کیا۔ جس کا دل چاہا ہندوستان میں رہا اور جس کا دل چاہا پاکستان چلا گیا۔ مولانا کو ان تمام رویوں اور فیصلوں سے سخت صدمہ پہنچا لیکن وہ مجبور تھے اس لیے کہ کانگریس کے قدآور لیڈران جن میں مہاتما گاندھی، سردار پٹیل اور جواہر لال نہرو تینوں اب تقسیم ہند کے فیصلے سے متفق ہو چکے تھے۔ ان حالات میں مولانا نے کس طرح سے اپنے آپ کو سنبھالا ہوگا، وہ ادراک سے پرے ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم ایک ایسی غلطی کرنے جا رہے ہیں جس سے ہندوستان ٹوٹ جائے گا، اور کمزور ہو جائے گا۔ جس کا خمیازہ ہندوستانیوں کو بھگتنا پڑے گا تقسیم ہند سے جو کچھ نقصان ہوا وہ تو ہوا ہی ساتھ بہت زیادہ خون خرابہ ہوا جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک سیاہ داغ ہے۔ مولانا کے یہاں رہبانیت نہیں تھی۔ اگر ان کی بات نہیں مانی جاتی تو بے شک انہیں تکلیف تو ہوتی تھی لیکن وہ کبھی بھی اپنے مشن اور تحریک سے جدا نہیں ہوئے۔ وہ کانگریس ہی میں رہے اور اپنی بات برابر اور پُر زور انداز میں کہتے رہے۔ چاہے اس میں مہاتما گاندھی ہوں، پنڈت جواہر لال نہرو ہوں یا پھر سردار ولبھ بھائی پٹیل وغیرہ۔ مولانا لکھتے ہیں ''تقسیم کے بعد نئی سرحد کے دونوں طرف جو خون کے دریا بہے وہ یرغمال اور انتقام کے اسی جذبے کا نتیجہ تھے۔'' میرے دادا استاد قمرؔ جلالوی بھی پاکستان چلے گئے لیکن انہیں پوری زندگی وطن چھوڑنے کا ملال تھا۔ استاد قمرؔ جلالوی نے کہا تھا۔

دعا بہار کی مانگی تو اتنے پھول کھلے
کہ ڈھونڈتا ہوں تو اب آشیاں نہیں ملتا

یا

سجا کے آیا ہوں صیاد ایک ایک تنکا
دعائیں دے گا رہے گا جو آشیانے میں

مولاناآزاد لکھتے ہیں ''تقسیم ہند، ہندوستان کے لیے ایک المیہ ہے ہمیں اپنی شکست تسلیم کر لینی چاہئے لیکن ساتھ ہی کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ ہمارے تمدن کا بٹوارہ نہ ہو سکے''مولانا تقسیم ہند کے مخالف تھے لیکن جب ملک تقسیم ہو گیا تو اس کے لئے کہتے ہیں کہ ''اب کم از کم ہمیں ہندوستان کے تمدن کو ایک رکھنا چاہیے۔ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کو ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم نہیں کرنا چاہیے۔'' تقسیم ہند کے نتیجے میں ہونے والے واقعات و حادثات کے بڑے برے اثرات ظہور پذیر ہوئے اس پر آشوب دور کے بارے میں مولاناآزاد لکھتے ہیں کہ ''کوئی صاحب کردار مسلمان رات کو اس یقین کے ساتھ نہیں سو سکتا تھا کہ دوسری صبح وہ زندہ اٹھے گا حالات اس حد تک خراب ہو گئے کہ انسانی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ گاندھی جی نے برت رکھا اور پھر اس شرط پر برت ختم کیا کہ مسلمانوں کی جن عبادت گاہوں اور مزارات کو نقصان پہنچا ہے یا ان کی بے حرمتی ہوئی ہے وہ انہیں واپس ملنی چاہئے'' یعنی جن صوفیاء نے ہندوستان میں امن و شانتی، اخوت و مساوات برابری اور بھائی چارے کا پیغام دیا اور اپنی خانقاہوں کے دروازے ہندوؤں اور مسلمانوں سب کے لیے کھول دیے۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں انہیں کی درگاہیں ظلم و بربریت کا شکار ہو گئیں۔ مولاناآزاد تقسیم ہند کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''پاکستان کی تخلیق کا واحد نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر ہندوستان میں مسلمانوں کی پوزیشن کمزور ہو گئی جو ساڑھے چار کروڑ مسلمان ہندوستان میں رہ گئے ہیں وہ تو کمزور ہو ہی گئے کیا اب پاکستان میں کوئی مضبوط اور لائق حکومت قائم ہو سکے گی؟'' مولانا کا تجزیہ بالکل درست تھا کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کم ہو گئی اور پاکستان میں بھی مضبوط حکومت نہ بن سکی اور خود پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ تقسیم ہند کے صرف 24 سال بعد ہی 1971 میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان دو علاحدہ آزاد حصوں میں بٹ گئے۔ پاکستان میں مہاجرین کے ساتھ بڑا ظالمانہ سلوک کیا جاتا رہا۔ پاکستان

میں شیعہ پڑھے لکھے لوگوں کو قتل کیا گیااور حکومت پاکستان ان معاملات کو کنڑول نہ کر سکی۔ مولانا اس وقت لکھ رہے تھے کہ ''پاکستان کے لیے نہایت بد قسمتی اور بے اطمینانی کا باعث ثابت ہوا ہے۔'' پھر لکھتے ہیں ''پاکستان کی تخلیق سے فرقہ وارانہ مسئلہ حل نہیں ہوا ہے بلکہ زیادہ پیچیدہ اور نقصان دہ ہو گیا ہے۔ تقسیم کی بنیاد ہندو اور مسلمان کے درمیان دشمنی پر تھی۔ پاکستان کی تخلیق نے اسے مستقل اور دستوری شکل عطا کر دی اور اس کا حل زیادہ دشوار بنا دیا ہے'' مولانا آگے لکھتے ہیں ''مشرقی اور مغربی پاکستان اپنے تمام اختلافات دور کریں گے اور ایک قوم تشکیل ہو گی۔ مغربی پاکستان میں بھی سندھ پنجاب اور سرحد کے تینوں صوبوں میں اندرونی اختلافات ہیں اور وہ اپنے اپنے جداگانہ مقاصد اور مفادات کے لیے کام کر رہے ہیں'' مولانا سوچتے تھے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان یعنی پنجابی، وسندھی اور بنگالی اپنے اختلافات دور کر لیں گے۔ مولانا کو پتہ نہ تھا کہ ۱۹۷۱ میں بنگلہ دیش وجود میں آجائے گا۔ مغربی پاکستان میں بھی پنجابی سندھی اور مہاجر اختلافات کو خوب عروج ملا اور پاکستان ان کو کنڑول کرنے میں کامیاب نہیں رہا۔ پاکستان میں آج تک جمہوریت اپنی بنیادیں مضبوط نہ کر سکی اور کئی مرتبہ پاکستان کو فوجی تختہ پلٹ کے سانحے کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ ''صرف تاریخ ہی فیصلہ کرے گی کہ آیا تقسیم منظور کر کے صحیح اور دانشمندانہ اقدام کیا ہے۔'' لیکن آج کے مورخین نے تقسیم ہند کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھ دیا کہ یہ ہماری تاریخی غلطی تھی۔ جس کا خمیازہ ہم کو صدیوں بھگتنا پڑے گا۔ مولانا آزاد نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا اور پھر اس کا تجزیہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں ''پہلی صدی کے بعد اسلام تمام مسلم ممالک کو صرف اسلام کی بنیاد پر ایک ریاست میں متحد نہیں کر سکا'' 622 عیسوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک اسلامی جمہوریہ کی بنیاد ڈالی اور پھر ۶۶۱ میں حضرت علی کی شہادت کے بعد خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔ بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتیں رہیں اور پھر دیگر سلطنتیں قائم ہوئیں۔ لیکن

آج تک مسلمانوں میں اتحاد پیدا نہ ہو سکا۔ مولاناآزاد نے 20فروری1949 کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کانووکیشن کو خطاب کیا تھا۔ انہوں نے اس موقعہ پر کہا تھا ''سرسید نے 1886 میں مسلمانانِ ہند کو نہ صرف کانگریس سے علیحدہ رہنے کا مشورہ دیا بلکہ سیاسی حقوق کے مطالبوں کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔'' دراصل سرسید نے 1857 کا پُرآشوب منظر دیکھا تھا۔ سن اٹھارہ سو ستاون کی تباہی کا پورا الزام مسلمانوں کے سر ڈال دیا گیا اور ان کو ہی اس کا اصل ذمہ دار بنایا گیا۔ ان کو وہ سزائیں دی گئیں کہ جس سے لرزہ پیدا ہو جائے۔ مسلمانوں کے مکانات کو توڑا گیا ان کو سولی پر چڑھایا گیا اور طرح طرح کی اذیتیں اور سزائیں دی گئیں ہندوؤں کو بھی سزائیں ملیں لیکن ان کی تعداد کم تھی۔ مغل حکومت کے خاتمے کے بعد اب مسلمان پورے طور پر بے سہارا ہو کر رہ گئے اور اس پر برطانوی حکومت کا ظلم جس کے نتیجے میں مسلمان بہت پریشان ہوئے اور ان کے معاشی حالات خراب ہو گئے۔ مسلمان جدید تعلیم سے دور تھے اور برطانوی راج میں جدید تعلیم کے بغیر نوکری ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ سرسید ان حالات سے بہت متاثر رہے ہوں گے اور یہ مشورہ دیا ہو گا کہ مسلمان جدید تعلیم حاصل کریں تب ہی وہ باعزت زندگی گزار سکیں گے اور اس وقت انگریزوں کے خلاف تحریک میں شامل نہ ہوں لیکن اس کے باوجود بہت سے مسلمان تحریک آزادی میں شامل بھی ہوئے۔ مولاناآزاد لکھتے ہیں کہ ''۱۹۱۲ میں سرسید مرحوم کی اس سیاسی رہنمائی پر بلا رو رعایت نکتہ چینی کروں اور جو لوگ اس رہنمائی کے علمبردار تھے ان سے تصادم میں آؤں۔۔۔ جو لفظ میرے لیے یہاں (علی گڑھ) زیادہ موزوں سمجھا گیا'' مخالف'' نہیں تھا ''دشمن'' تھا۔'' مولاناآزاد کی سرسید کی کچھ پالیسیوں کے بارے میں جو بھی سمجھ رہی ہو لیکن ان کو علی گڑھ کا دشمن تصور کرنا اس وقت بھی غلط تھا اور آج بھی کسی طور موزوں نہیں۔ مولانا سرسید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''میں سرسید کے شاندار اصلاحی کارناموں کا معترف اور ان کی عظمت کا

معتقد تھا ۔ ۔ ۔ سرسید مرحوم کی تصنیفات نے میرے دماغ پر غیر معمولی اثر ڈالا تھا ۔ ۔ ۔ بہر حال میں سرسید مرحوم کا مخالف نہ تھا ان کے مداحوں میں تھا مگر یہ مداحی مجھے اس سے باز نہیں رکھتی تھی کہ سمجھ بوجھ کے مطابق ان کی کوتاہیوں اور غلط فہمیوں کا بھی اعتراف کروں۔'' مولانا خود اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ سرسید کے مداحوں میں ہیں لیکن کہیں کہیں ان سے اختلاف بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص اپنی ایک فکر رکھتا ہے سرسید کی اپنی فکر تھی۔ وہ بھی دوسروں سے اختلاف رائے رکھتے تھے۔ مولانا آزاد کی اپنی فکر تھی اور ہر فکر میں کہیں نہ کہیں اختلافی پہلو رہتا ہے۔ سرسید تو سرسید مولانا کے اختلافات تو کانگریس کے بڑے لیڈروں سے بھی تھے۔ وہاں تو وہ سب کانگریس کے دستور کے دائرے میں کام کر رہے تھے۔ بعد کے لوگوں نے اس کو اپنے اپنے طریقے سے لکھا۔ دانشوروں میں اختلاف رائے ہونا ایک صحت مند معاشرے کی نشانی ہے۔

مولانا لکھتے ہیں ''میں سرسید مرحوم کی سیاسی رہنمائی کو ان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی یقین کرتا ہوں۔'' مولانا کو ان کی کچھ باتوں سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن سرسید کی اپنی سمجھ تھی۔ مولانا اپنی سیاسی زندگی میں جن مسائل سے دوچار ہوئے وہ ان کے خطوط سے واضح ہیں۔ سرسید نے سمجھا کہ اس وقت کا سب سے اہم تقاضہ مسلمانوں کی تعلیم کا ہے اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوئے۔ سرسید کی سمجھ تھی کہ مسلمان انگریزوں کے خلاف سیاسی تحریک سے دور رہیں۔ مولانا اس کو سرسید کی بڑی غلطی مانتے ہیں تو مانیں، یہ تو بعد کا مورخ طے کرے گا کہ کون صحیح تھا اور کون غلط۔ مولانا فرماتے ہیں ''مگر ساتھ ہی میں یقین کرتا ہوں کہ وہ انیسویں صدی کے ایک بڑے ہندوستانی مصلح تھے اور انہوں نے ملک کے لیے شاندار اصلاحی اور تعلیمی خدمات انجام دیں۔''

مولانا سرسید سے حد درجہ متاثر تھے وہ فرماتے ہیں''سر سید کی تصانیف کے مطالعے نے علوم جدید سے نہ صرف آشنا بلکہ شائق اور گرویدہ بنادیا تھا۔اب وہ دن تھا کہ عقائد وافکار میں طوفان اٹھ چکا تھا میری زندگی اب چل نہیں رہی تھی بہہ رہی تھی۔'' اس کے بعد لکھتے ہیں کہ سرسید نے تعلیم کے احیاء کے لیے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر سرسید نے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف راغب نہ کیا ہوتا تو جو حشر مسلمانوں کا 1857 کے بعد ہوا اس سے بھی بدتر ہوتا۔بلا شبہ سر سید کے اس تعلیمی مشن نے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کی اس کے اثرات آج بھی جاری ہیں۔ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد لوگوں نے اپنے دوسرے افراد خاندان کی تعلیم کا انتظام کیا اور اس سے مسلمانوں میں تعلیم کا احیا ہوا۔ جس کی وجہ سے انہیں برطانوی حکومت کی نوکریاں ملیں اور آزادی کے بعد حکومت ہند کے مختلف شعبوں میں مختلف جگہوں پر کام کرنے کے اہل ہوئے۔ اگر سرسید یہ کارنامہ انجام نہ دیتے تو مسلمان کہاں جاتے؟ سیاست ایک طرف لیکن تعلیمی مسائل دوسری طرف۔مولاناآزاد نے کہا تھا''جناب چھتیس برس پہلے میں نے ان کی سیاسی رہنمائی سے اختلاف کیا تھا آج میں یہاں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ان کے شاندار اصلاحی اور تعلیمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اپنا خراج عقیدت پیش کروں۔''مولانا کے سامنے سر سید کا قائم کیا ہوا اتنا بڑا ادارہ تھا جس میں مختلف شعبہ جات میں دانشور اور سائنس داں کام کر رہے تھے۔ان کا یہ تعلیمی ادارہ ایک اسکول سے ترقی کر کے ایک بہترین یونیورسٹی بن گیا۔ جن حالات کا سامنا کرتے ہوئے اس ادارے کو بنایا یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔کچھ علما اور دانشوروں نے سرسید کی زبردست مخالفت کی۔ان مخالفتوں کا سامنا کرتے ہوئے انہوں نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا۔ لہذا یہ ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ سرسید کو خراج عقیدت پیش کرے۔ کیونکہ سرسید نے یہ کارنامہ ملک کے لیے کیا تھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کسی ایکٹ

کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ ایک تحریک کا نتیجہ تھی جو 1857 کے بعد کے حالات کا نتیجہ تھی۔ جس کے رہنما سرسید تھے۔ اس کے بعد سرسید کے بارے میں لکھتے ہیں ''وقت کے تقاضے فتح مند ہوئے اور قدامت پرستی کو اپنی ہار مان لینی پڑی جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے بلاخوف اور ڈر کہا جا سکتا ہے کہ اس فیصلہ کن جنگ کا مردِ میدان وہی شخص تھا جو اس یونیورسٹی کے ایک گوشے میں مدفون ہے۔'' سرسید کی لڑائی قدامت پرست لوگوں سے تھی جس میں سرسید کامیاب ہوئے۔ مسلمانوں کے ایک طبقے نے سرسید کی مخالفت کی لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت سے مسلمانوں نے ان کے مشن میں مدد بھی کی۔ اگر سرسید یہ تعلیمی ادارہ قائم نہ کرتے تو آزادی کے بعد مسلمانوں کی حالت ناقابل بیان ہوتی۔

ہندوستان میں زمینداری کے خاتمے کے بعد زمیندار خاندان مزید تباہی کا شکار ہوئے۔ 1947 کے بعد جب طلبا مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ان کے پاس فیس دینے کے لیے پیسے نہیں تھے۔ اگر ہم 1947 کے شیعہ طلبا کے بارے میں جاننے کے لئے انجمن وظیفہ سادات و مومنین کے رجسٹروں کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ زمینداروں کے بچوں کی بڑی تعداد انجمن سے وظیفہ پا رہی تھی۔ تب وہ تعلیم حاصل کر سکے۔ 1965 کے بعد جو بھی پروفیسر، لیکچرار، انجینئیر اور کلرک وغیرہ تھے ان میں زیادہ تر پر انجمن وظیفہ سادات و مومنین کا بڑا احسان ہے۔ اتر پردیش اور بہار کے قصبات سے سادات کے بچوں کی کثیر تعداد کو انجمن نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظیفہ دیا تھا۔ بڑے بھائی نے اگر تعلیم حاصل کر لی اور اسے کوئی نوکری مل گئی تو انہوں نے اپنے چھوٹے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کو اپنے پاس رکھ کر علی گڑھ یا جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں پڑھایا۔ جس کے نتیجے میں کچھ بڑے بھائیوں نے اپنی شادیاں تک ملتوی کر دیں اور چالیس پینتالیس سال کی عمر میں شادی کی۔ اس لئے کہ زیادہ تر مسلمان معاشی بدحالی کا شکار تھے۔ کیا کانگریس،

یا حکومتِ ہند یا حکومتِ اترپردیش نے ان کی کوئی مدد کی؟ کچھ لوگوں نے ذاتی طور پر طلبا کی مدد کی۔ میرے ایک عزیز کی فیس جب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے (جو اس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے) اپنی تنخواہ سے دی۔ یہ بات درست ہے کہ جمہوریت میں زمینداری کی جگہ نہیں ہے۔ مولاناآزاد نے بحیثیت وزیرِ تعلیم ان مفلس زمیندار بچوں کی فیس کا کیا انتظام کیا؟ خود میرے وطن جلالی میں اور دوسری بستیوں کے بچے افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ اور چپراسی بننے پر مجبور ہوئے۔ آپ نے زمینداری کا خاتمہ کر دیا تو ٹھیک کیا اس لیے کہ جمہوریت میں زمینداری کی کوئی جگہ نہیں ہے لیکن ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کر دیا ہوتا۔ یہ کیسی جمہوریت کہ قانون بنا کے کچھ لوگوں کو مفلوک الحال بنا دیا جائے۔ اس نے سماج میں بڑے مسائل پیدا کئے۔

سرسید کے دور کے علی گڑھ کی تحقیق اور اس کے بعد کے حالات کے بارے میں مولاناآزاد لکھتے ہیں ''اسلامی علوم اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ اور اس کی تحقیقات آپ کی درس گاہ کی قدیمی روایت ہے مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سرسید مرحوم کے دور کے بعد اس کی سرگرمیاں بہت کچھ دھیمی پڑ گئیں اور علم و فن کا عام مذاق بھی کچھ زیادہ بلند نہیں رہا۔ یونیورسٹی قائم ہوئی تھی تو اسے اپنے قیام کے ساتھ ایک نیا علمی دور لانا تھا لیکن اس توقع کو بھی ابھی تک انتظار ہی کرنا پڑا ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ اپنی درسگاہ کی پرانی روایتوں کو از سرِ نو تازہ کریں اور یونیورسٹی کے اندر مطالعہ اور تحقیقات کا اعلی معیار پیدا کریں۔'' مولانا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پوری طرح واقف تھے اور سرسید کے دور کے علمی کارناموں سے بھی واقف تھے انہوں نے دیکھا کہ سرسید کے بعد تحقیق کی وہ روش کچھ دھیمی ہو گئی اور ریسرچ کے معیار میں بھی کمی آئی۔ اس کی ایک اہم وجہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کا پاکستان ہجرت کر جانا تھا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر بن کر علی گڑھ گئے تو

یہ مسئلہ ان کے سامنے تھا انہوں نے مسلم یونیورسٹی کی تعمیر نو کی۔ میرے استاذ پروفیسر سید نور الحسن صاحب سابق چیرمین شعبۂ تاریخ نے بیان کیا کہ ایک روز ہم شعبہ میں بیٹھ کر آنے والے تعلیمی سال کی تیاری میں مصروف تھے کہ اچانک ذاکر صاحب آگئے۔ انہوں نے کہا آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم آنے والے تعلیمی سال کا ٹائم ٹیبل وغیرہ تیار کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے ''سینٹر فار ایڈوانس اسٹڈیز ان ہسٹری'' کا پروپوزل بنا کر دیں۔ تاکہ عہدِ وسطیٰ کی تاریخ پر تحقیقی کام ہو سکے۔ ان کی کوشش سے وہ سینٹر مسلم یونیورسٹی کو مل گیا۔ مولانا ہدایت دے رہے ہیں کہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ تحقیقات کا اعلیٰ معیار پیدا کریں۔ اس لئے کہ اعلیٰ تحقیقی معیار ہی یونیورسٹی کی شناخت ہوتے ہیں۔ مولانا دہلی میں تھے اور بڑی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ ان کی نظر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور اس کے تحقیقی کاموں اور اس کے معیار پر بھی تھی۔ ایک وزیر تعلیم کو مختلف مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ وہ کہاں ایک یونیورسٹی کے بارے میں سوچے۔ انہوں نے کیا ہی بہترین تجزیہ پیش کیا ہے اور ہدایت بھی دی ہے۔

مولانا کو علمی کاموں میں کس قدر دلچسپی تھی کہ ان کی نظر اس عہد کے اہم جریدوں پر بھی تھی۔ مولانا آزاد وزیرِ اعلیٰ حیدر آباد کو لکھتے ہیں کہ ''جب میں لندن میں تھا تو پروفیسر گب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا *Islamic Culture* باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے؟ اس کا سالانہ بجٹ 12000 روپئے تھا۔ بجٹ کم کر کے 3000 روپئے کر دیا گیا جس کا بالواسطہ مطلب ہے کہ اس کو روک دیا جائے۔ اس عمل سے آپ ایک جریدے سے محروم ہونے جا رہے ہیں۔ براہِ کرم آپ اس مسئلہ پر اپنی رائے لکھ کر بھیجیں۔'' یقیناً افسوس کی بات ہے کہ *اسلامک کلچر* کی اشاعت (غالباً) 2016 سے بند ہو گئی۔ مولانا آزاد نے اپنے کئی خطوط میں حیدر آباد اور عثمانیہ یونیورسٹی کا تذکرہ کیا ہے۔ مولانا آزاد نے کئی خطوط میں ندوۃ العلما سے متعلق گرانٹ اور ندوۃ العلما کی لائبریری سے متعلق بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اسی

طرح ان کے کئی خطوط میں دار المصنفین کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ ان کے خطوط میں رضا لائبریری، رامپور اور مدرسہ عالیہ، رامپور کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔اس کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ان پروفیسروں کا بھی تذکرہ ہے جو اس دور میں تراجم وغیرہ میں مصروف تھے۔اس سے محسوس ہوتا ہے کہ مولانا اپنی سیاسی مصروفیات کے باوجود اس عہد کے علمی مراکز اور تعلیمی سرگرمیوں میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور ان کے ایک ایک کام سے واقف تھے۔

مولانا آزاد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء کو ہدایات دے رہے ہیں کہ ''اس قابلیت کو جو تم نے اس درسگاہ سے حاصل کی ہے ایسے کاموں میں لگانا ہے جو تمہارے ملک کی نئی رفعت طلبیوں کا ساتھ دے سکیں۔ میرا دماغ اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں رکھتا کہ اگر تم نے وقت کی ترقی پسند قومیت کی روح اپنے اندر پیدا کرلی جو تمہاری غیر مذہبی جمہوری حکومت کا دستور العمل ہے تو تمہارے وطن کی کوئی بلندی بھی ایسی نہیں ہوگی جہاں تک تمہارا ہاتھ نہ پہنچ سکے اور کوئی کامرانی بھی ایسی نہیں ہوں گی جو تمہارا استقبال نہ کرے۔'' مولانا آزاد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرچکے طلبہ وطالبات کو ملک کی ترقی میں شامل ہونے کے لئے اس طرح کہہ رہے ہیں کہ ملک کی تمام ترقیوں کے راستے تمہارے لیے کھلے ہیں وہیں سے تم کو بلندی حاصل ہوگی اور تم نئے ہندوستان کی ترقی میں حصہ دار ہوگے۔ تقسیم ہند کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبا وطالبات اس فکر میں تھے کہ کیا آزاد ہندوستان میں ان کو ملک میں حصہ داری ملے گی یا نہیں۔ لہٰذا اس سوال کا جواب دینے کے لئے مولانا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فارغ طلبا وطالبات میں عزم واعتماد پیدا کررہے ہیں۔ کہ ملک کی تمام ترقیوں کے راستے ان کے لئے کھلے ہیں۔اور وہ ملک کی ترقی کی حصے داری میں شامل ہوسکتے ہیں۔ یہ مولانا کا بڑا مثبت رول ہے جس کا بڑا صحت مند اثر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبا وطالبات پر پڑا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا آزاد کی یہ توقعات مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے طلبا

وطالبات سے بھی ہے اور مولاناآزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے طلبا وطالبات کو مولاناآزاد کے اس پیغام پر عمل کرنا چاہیے۔

مولانا نے کچھ خطوط مہاویر تیاگی کو بھی لکھے تھے مہاویر تیاگی کے نواسے انل نوریا میرے عزیز دوست ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے نانا کی کتاب ''آزادی کا آندولن ہنستے ہوئے آنسو'' دی اس میں تیاگی جی نے لکھا ہے ''سن 1947 میں ایک دن مولانا نے مجھے اپنی کوٹھی پر بلا کر بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ بٹھایا اور ہنس کر بولے میرے بھائی میں بڑی کشمکش میں ہوں کہ تمہارے ساتھ اظہارِ ہمدردی کروں یا مبارکباد دوں کیونکہ مہاتما گاندھی نے آج ورکنگ کمیٹی میں تمہیں ایک عجیب خطاب عطا کیا ہے۔ جواہر لال جی نے پوچھا کہ کیا ہے؟ تو مہاتما جی نے مولانا کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا مولانا سے پوچھو۔ تیاگی تو جھوٹا ہے پر پھر بھی وہ اونچے آدرش کا آدمی ہے، بے ایمان نہیں ہے۔ مولانا نے تعجب سے کہا کہ مجھے تو ان کے ایمان دار ہونے پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ مہاتما جی نے اتتر دیا کہ وہ تو مجھ سے خود منظور کر گیا کہ اس نے جیل میں پیسہ دے کر تمہاری چٹھی چھڑائی تھی۔ مہاتما جی نے اتتر میں کہا اسی لئے تو میں نے اس کو ایمان دار جھوٹا بولا۔''

مولانا نے کس ماحول میں آنکھ کھولی، ہوش سنبھالا اور تربیت حاصل کی اور پھر کیا بنے۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں۔ ''میں نے ہوش سنبھالا تو ایسے بزرگوں کو اپنے سامنے پایا جو عقائد وافکار میں اپنا ایک خاص مسلک رکھتے تھے۔ اور اس میں اس درجہ متعصب اور بے لچک تھے کہ بال برابر بھی ادھر اُدھر ہونا کفر اور زندقہ تصور کرتے تھے میں نے بچپن سے اپنے خاندان کی جو روایتیں سنیں وہ بھی سرتاسر اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور میرا دماغی ورثہ اسی تعصب میں گھرا ہوا تھا اور باہر کی مخالف ہواؤں کا وہاں تک گزر ہی نہ تھا'' مولانا اپنے خاندانی ماحول کی تعریف یا بلا وجہ کی باتیں نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ بڑی بے باکی اور کمالِ صداقت و حق گوئی سے

حقائق آشکار کر رہے ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ ایسے ماحول میں تعلیم و تربیت پانے والے شخص نے اس دائرے سے نکل کر اپنی دنیا ہی بدل ڈالی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان پر سرسید اور مہاتما گاندھی کا کافی اثر پڑا اور انھوں نے ان دونوں رہنماؤں کی تحریروں اور کردار سے اپنے آپ کو سنوارا۔ مولانا خود فرماتے ہیں ''سرسید کی تصنیفات کے مطالعے نے علوم جدیدہ سے نہ صرف آشنا کیا بلکہ شائق و گرویدہ بنا دیا تھا اب وہ دن تھا کہ عقائد وافکار میں ایک طوفان اٹھ چکا تھا میری زندگی اب چل نہیں رہی تھی، بہہ رہی تھی۔'' آگے فرماتے ہیں ''میری زندگی میں ایک وقت ایسا بھی گزر چکا ہے جب سرسید مرحوم کی تصنیفات نے میرے دماغ پر غیر معمولی اثر ڈالا تھا۔'' مولانا کہتے ہیں ''مذہبی منافرت جماعتی تعصب، فرقہ وارانہ تنگ دلی اور محکومانہ ذہنیت کے تمام مفاسد ہماری راہ روکے کھڑے ہیں'' مولانا کو یہ افسوس تھا کہ پہلے تو ہم انگریزوں کو موردالزام گردانتے تھے کہ ان تمام مسائل کو انگریز بڑھاوادے رہے ہیں لیکن آزادی کے بعد بھی صورت حال میں زیادہ تبدیلی دیکھنے کو نہیں مل پارہی ہے آخر ایسا کیوں ہے؟

مولانا آزاد کے انتقال پر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کہا تھا'' وہ قلم جس سے تیر برستے تھے وہ قلم جس سے بجلیاں گرتی تھیں وہ زبان جس سے پھول برستے تھے اور جس سے چنگاریاں بھی برستی تھیں جو باطل کو جلاتی بھی تھیں اور سچ کو روشن بھی کرتی تھیں وہ زبان بند ہے اور قلم ٹوٹ گیا۔'' جواہر لال نہرو نے کہا ''حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی ذات میں علم و عرفان کی ایک وسیع دنیا آباد تھی وہ جس گوشے کو چاہتے تھے سامنے لے آتے تھے۔'' ہندوستان کے سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی نے کہا تھا کہ ''اگر ہندوستان سانحۂ تقسیم کے بعد باوجود مضبوطی سے سیکولر بنا رہا تو یہ بڑی حد تک مولانا کی قیادت، ان کے تدبر، ان کی شخصیت میں مرکوز ہندوستانی امتزاج اور ان کے مشترکہ تہذیب کی زندہ جاوید علامت ہونے

کی بدولت ہے۔''

مولانا آزاد اپنے سینے میں بڑا درد چھپائے ہوئے تھے۔ جب وہ احمد نگر کی جیل سے رہا ہو کر کلکتہ پہونچے تو لکھتے ہیں کہ ''ہوڑہ اسٹیشن پر انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میں بڑی مشکلوں سے اپنے ڈبے سے باہر نکلا اور کار میں سوار ہوا۔ ۔ ۔ ۔ جس وقت کار پل پر سے گزر رہی تھی۔ مجھے گزرا ہوا زمانہ یاد آنے لگا۔ تین سال پیچھے کا وہ دن یاد آیا جب میں۔ ۔ ۔ ۔ بمبئی کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔ میری بیوی گھر کے دروازے تک مجھے رخصت کرنے آئی تھی۔ اب میں تین سال بعد واپس آرہا تھا مگر وہ قبر کی آغوش میں تھیں اور میرا گھر خالی تھا۔ مجھے ورڈس ورتھ کا یہ شعر یاد آیا۔

مگر وہ اب اپنی قبر میں ہے
اور ہائے میری دنیا کیسی بدل گئی ہے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کار واپس کرنے کے لئے کہا کیونکہ گھر جانے سے پہلے میں ان کی قبر پر جانا چاہتا تھا۔ میری کار ہاروں سے لدی ہوئی تھی میں نے ان میں سے ایک ہار لے کر قبر پر چڑھایا اور خاموشی کے ساتھ فاتحہ پڑھا۔''

*****

مولانا آزاد

کے

مراسلات کا کلینڈر

1. کلکتہ، 1 فروری 1920

انہوں نے لکھا ہے کہ وہ 4 فروری تک تمام کاموں سے فارغ ہو جائیں گے۔ پھر وہ رانچی کے کام مکمل کریں گے اور پھر اس کے بعد وہ مدرسہ کا کام شروع کریں گے۔

24 جنوری 1920، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نمبر 2430/1 (اورینٹل رکارڈس)

2. کلکتہ، 25 فروری 1920

3 مارچ کو رانچی پہنچے۔ وہ وہاں تمام کام مکمل کرے گا۔ ہم مشکل وقت سے گزر رہے تھے لیکن یہ سب آسانی سے گزر جائے گا۔

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نمبر 2430/21 (اورینٹل رکارڈس)

3. سرکلر روڈ، کلکتہ، 24 مئی 1926

مدرسہ کی حالت ابتر ہے۔ میں نے بہار کے ایک نامور شخص مولوی عابد شاہ جی مظفر پوری سے مدرسہ کے بارے میں بات کی ہے۔ میں مدرسہ کو درپیش مسائل کو حل کرنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ میں اس کا کسی یونیورسٹی سے الحاق کروانا چاہتا ہوں۔

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نمبر 2430/3 (اورینٹل رکارڈس)

4. کلکتہ، 19 مئی 1931

میں مدرسہ کی بہتری کے لیے پوری کوشش کر رہا ہوں۔ میں فخر الدین کو لکھنا چاہتا ہوں کہ مدرسہ کا کام کیسے چل سکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہاں سکریٹری کون ہے۔ میں پوری لگن کے ساتھ اس پر کام کر رہا ہوں۔ میں اسے بالکل نظر انداز نہیں کر سکتا۔

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نمبر 2430/4 (اورینٹل رکارڈس)

.5 29 اگست 1935(شہر کا نام نہیں لکھا ہے)

مجھے ٹیلی گرام کا علم ہے لیکن ڈاکٹر کلکتہ میں رہ رہے ہیں۔ اچھا ہو گا اگر ڈاکٹر صاحب اسمبلی الیکشن لڑنے پر راضی ہو جائیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 2، فائل نمبر 1935/10، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.6 13 نومبر 1935 (جگہ کا نام نہیں لکھا ہے)

میں پچھلے چار سالوں سے انفلوئنزا میں مبتلا ہوں۔ اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں یہ سخت ہو جاتا ہے۔ آپ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے کانگریس ورکنگ کمیٹی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دینا چاہیے کیونکہ میں کچھ بھی نہیں کر پا رہا ہوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ میرا استعفیٰ غلط فہمی کا باعث بنے گا۔ انہوں نے پارلیمانی بورڈ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ ہنس راج نے جالندھر سے الیکشن جیتا تھا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ ہنس راج نے اپنی طاقت اور مقبولیت کے بل بوتے پر الیکشن جیتا تھا۔ اس کامیابی کے لیے کانگریس ذمہ دار نہیں ہے۔ بنیادی طور پر پنجاب میں اسمبلیوں کا انعقاد اور تقاریر کا کوئی فائدہ نہیں۔ پنجاب میں ذاتی تعلق کو اہمیت حاصل ہے۔ اگر آپ کسی ادارے سے ملیں تو اچھا نتیجہ ممکن ہے۔ لیکن بنگال کی حالت پنجاب سے بھی بدتر ہے۔ بنگال کے لیے انھوں نے سرت چندر بوس اور ستیش بابو کے نام تجویز کیے ہیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 2، فائل نمبر 1935/10 نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

7. 22 نومبر 1935 (جگہ کا نام نہیں لکھا ہے)

میں مہاتما گاندھی کی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ ہم لوگوں کو نمائش کے انعقاد کے لیے کیوں پریشان کریں۔ عوام کا پیسہ ایسے کاموں پر کیوں خرچ کیا جائے؟ میرا خیال ہے کہ عام اجلاس کی تاریخ یا تو عید سے پہلے کی ہو یا پھر عید کے بعد۔ ورنہ مسلمانوں کو اس طرح کے بہانے بنانے کا موقع مل جائے گا اور وہ ان جلسوں میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔ پارٹی میں اختلافات اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ کانگریس صرف اس کی وجہ سے ایک صوبہ کھو بیٹھی۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1936/1، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

8. 15 مئی 1926 (جگہ کا نام نہیں لکھا ہے)

میں آپ کے اس رویہ سے متفق نہیں ہوں جو آپ نے بنگال میں کانگریس کے اختلافات کے حوالے سے اختیار کیا تھا۔ لیکن میں نے خود کو اس سے دور رکھا۔ آپ کے علاج کا طریقہ یہ تھا کہ مریض کو مزید پیچیدہ کر دیا جائے۔ آپ کو ورکنگ کمیٹی نے ایک ایڈہاک کمیٹی مقرر کرنے کا اختیار دیا تھا لیکن آپ نے اسے مکمل طور پر ڈاکٹر بوس کو سونپ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گروہ 15 یا 16 افراد پر مشتمل تھا اور دوسرے گروہ میں 80 افراد تھے۔ مجھے لگتا ہے کہ میمن سنگھ اور کمیلا کے بارے میں جو فیصلہ لیا گیا وہ یک طرفہ تھا۔ اس کی وجہ سے بنگال کی حالت ابتر ہو جائے گی۔ جس شخص کو آپ نے ورکنگ کمیٹی کے لیے منتخب کیا، لوگ حیران رہ گئے۔ آپ کو رائے کی جگہ مسٹر سبھاش کو صدر مقرر کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1936/3، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

9. کلکتہ، 5 جنوری 1937

فیض پور سے واپس آتے ہوئے میں نے ان سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کیااور اپنی رائے کا اظہار بھی کیا۔ میں نے مشورہ دیا کہ ہمارا ذہن تمام پہلوؤں پر صاف ہو جانا چاہیے تاکہ ہمارے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہ رہے۔ میں نے ان کو یہ بھی بتایا کہ مہاتما گاندھی کو ان سے بہت محبت اور لگاؤ تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ، سردار پٹیل اور جواہر لال کو مل بیٹھ کر تمام معاملات کو صاف کر لینا چاہیے جو غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے بہتر ہو گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1937/2، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

10. کلکتہ، 1 جون 1937

حکومت بہار نے اردو طرز تحریر کو لکھنے کے طریقے کو لے کر ایک تنازعہ کھڑا کر دیا ہے تاکہ کانگریس کو ایک اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑے میرے خیال میں ہمیں اس مسئلہ پر خاموش رہنا چاہئے۔ اس بحث میں بہار کے اخبارات شامل ہیں یا نہیں؟ اگر ممکن ہو تو ان اخبارات کو اس بحث میں شامل ہونے کی ہدایت کریں۔ یہ مسئلہ قانون کے ذریعے حل نہیں ہو سکتا، ہمیں اسے باہمی افہام و تفہیم سے حل کرنا ہو گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 3، فائل نمبر 1937/2، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی (خط میں تاریخ نہیں ہے۔)

11.

سر کلر نے اردو کو لازمی قرار دیا۔ میری رائے میں سب سے پہلے ہمیں اس مسئلے پر بات کرنی چاہیے تھی پھر اس پر عمل درآمد ہونا چاہیے تھا۔ کانگریس کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان افہام و تفہیم پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس پر کام کرنا چاہیے۔ عبدالقیوم نے فرنٹیئر میں سرکلر جاری کیا ہے کہ اردو رسم الخط پر عمل نہ کرنے والے پرائمری اسکولوں کو پانچ سال بعد گرانٹ نہیں دی جائے گی۔ میں نے عبدالقیوم کے اس موقف کی مخالفت میں گیارہ صفحات کا خط لکھا۔ عبدالقیوم نے میری بات مان لی۔ لیکن جب ہم نے سرحد میں آنے کی کوشش کی تاکہ ہمیں قوم پرست ہندوؤں کی حمایت حاصل کرنی پڑے، تو انہوں نے اردو کے حوالے سے سرکلر منسوخ کر دیا۔ تمام "مسلم اخبارات" نے بھی سرکلر کو سراہا ہے۔ پنجاب میں انجمن حمایت اسلام نے اس حوالے سے قرارداد پاس کی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اگر بہار اور یوپی میں اردو کی مخالفت کا سامنا ہوا تو کیا ہوگا؟ مونگیر میں عدالت نے اردو میں کاغذات لینے سے انکار کر دیا ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 3، فائل نمبر 1937/2، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

12. پونہ، 23 اگست 1937

وردھا میں ہمیں دو افراد کی ضرورت ہے، میرا مطلب ہے کہ مجھے، آپ کو اور کچھ لوگوں کو سرحد پر جانا چاہیے لیکن وہاں مہاتما گاندھی کی موجودگی بہت ضروری ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 4، فائل نمبر 1937/2، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

13. کلکتہ، 24 نومبر 1937

اڑیسہ کے کچھ لوگ آپ کا خط لے کر آئے ہیں۔ یہ بل یکم دسمبر کو اڑیسہ کی اسمبلی میں پیش کیا جائے گا۔ اگر اس میں تین یا چار ہفتے کی تاخیر ہو جائے تو بات آسانی سے ہو سکتی ہے۔ اڑیسہ آپ

کے کنٹرول میں ہے۔اس لیے بہتر ہو گا کہ آپ وزیر اعظم کو خط لکھیں کہ بل کی پلیسمنٹ میں چار ہفتوں کے لیے تاخیر ہو سکتی ہے۔آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے ایسا بہار میں کیا تھا۔ لیکن اب میں بے بس ہوں اور وہاں نہیں جا سکتا۔بہتر ہے کہ بل میں تاخیر ہو جائے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 5، فائل نمبر 1937/11، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.14

اگر کسانوں نے خود کو علاحدہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے، تو وہ خود کو نقصان پہنچائیں گے۔بنگال میں سلامی ختم کر دی گئی ہے اسی طرح بہار میں سلامی کو ختم کیا جائے۔اس سلسلے میں ہم کو ایک انکوائری کمیشن مقرر کرنا چاہئے۔جواہر لال نہرو یہاں آئے اور انہیں زمینداروں کے مسائل سے آگاہ کیا گیا۔اب یو پی میں بڑا مسئلہ ہے۔جواہر لال مجھ سے اس کام کے لیے کچھ وقت نکالنے کو کہہ رہے ہیں۔لیکن بد قسمتی سے میرے پاس وقت ہی نہیں ہے۔کانگریس کمیٹی کی مختلف تجاویز پر مہاتما گاندھی کے تبصرے جواہر لال کو پسند نہیں آئے جس کا انہیں احساس ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1937/3، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.15 کلکتہ، 28 نومبر 1937

سلامی کو بنگال میں ختم کیا جاتا ہے تو اسے بہار میں بھی ختم کیا جائے۔بلدیو سہائے نے کہا تھا کہ وہ سلامی نہیں دیں گے بلکہ وہ فیس ہو گی۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1937/1، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی

دہلی

16. کلکتہ، 16 دسمبر 1937

آج سب سے بڑا مسئلہ جس کا سامنا کانگریس کر رہی ہے وہ ہماری پارٹی کی اندرونی سیاست ہے۔ کانگریس والوں نے ہمیں بڑی مشکلات میں ڈال دیا۔ میں نے جواہر لال سے بات کی ہے اور انہیں اس مسئلہ کے بارے میں بتایا ہے۔ بابو شیام نندن نے مجھے مظفر پور سے اطلاع دی کہ زمیندار تقریباً تمام مسائل پر متفق ہو چکے ہیں اور وہ اپنی وابستگی پر سخت ہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ انکم ٹیکس کی شرح بڑھانا چاہتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ درست نہیں ہے۔ انہیں اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ زمینداروں کو بھی یہ محسوس ہونا چاہیے کہ ہم ان کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ زمینداروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ان کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ لوگ ان کی حمایت میں تقریریں کریں۔ اسے زمیندار ایسوسی ایشن سے پاس کرایا جائے۔ ہم زمینداروں کے رویے اور سمجھ میں بڑی تبدیلی پاتے ہیں۔ کانگریس کو چاہیے کہ وہ زمینداروں کے ساتھ ایک جلسہ عام کرے اور اس میں اس معاہدے کا اعلان کیا جائے تاکہ سب کو اس کا علم ہو جائے۔ تب ہم بتا سکیں گے کہ کسانوں کے لیے کتنی سہولتیں فراہم کی گئی ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1937/1، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

17. کلکتہ، 20 دسمبر 1937

بہار میں کسان سبھا جو بھی فیصلہ کرتی ہے، میں اس سے پوری طرح متفق ہوں۔ ایک غیر رسمی کانفرنس کا اہتمام کیا جائے جہاں ہم مسلمانوں سے بات چیت کر سکیں۔ ہمیں انہیں یہ باور

کرانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ان مسائل پر کھلے ذہن سے غور کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کا ان پر بڑا اثر پڑے گا۔ اگرچہ عملی طور پر ہم اس اشارے سے کچھ نہیں کریں گے، لیکن ہم ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ ہمیں زیادہ مقبول اور مضبوط بنائے گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 3، فائل نمبر 1937/15، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

18. لکھنؤ، 16 جنوری 1938

میں نے جواہر لال سے بہار سے متعلق کئی مسائل پر بات چیت کی ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر M.1/1938، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

19. کلکتہ، 9 مارچ 1938

میں وردھا گیا اور وہاں مہاتما گاندھی سے ملا اور پھر کلکتہ واپس چلا گیا۔ ہم نے آئینی بحران کا سامنا کیا لیکن یہ بہت اچھا گزرا۔ آئینی بحران کے دوران کانگریس بہت مضبوط ہو گئی۔ سوشلسٹوں اور کسانوں کے تعلق سے ہم نے جے پرکاش سے گفتگو کی ہے۔ انہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا۔ اب بہار کے حالات بہتر ہوں گے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر M.1/1938، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

20. کلکتہ، 15 مارچ 1938

پٹنہ میں میری آپ سے ملاقات کے بعد کچھ نئی پیش رفت ہوئی تھی، اس لیے مجھے آپ سے کئی مسائل پر بات کرنی ہے۔ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس سے پہلے آپ نے ہری پورہ اور بمبئی میں سوشلسٹ گروپوں سے بات چیت کی۔ وہ بھی موجودہ حالات سے متاثر تھے۔ جواہر لال نے میرا ساتھ دیا۔ اب سوشلسٹ اپنا رویہ بدلیں گے۔ اس معاملے پر جے پرکاش کا خط بھی بالکل واضح ہے۔ جے پرکاش وزراء کے استعفیٰ کا مطالبہ کرنے لگے۔ وزراء نے استعفیٰ دیا تو اس گروہ کو شرمندگی ہوئی۔ جے پرکاش نے یہاں تک کہا کہ میں نے کبھی وزارتوں سے استعفیٰ کا مطالبہ نہیں کیا۔ اخبارات نے میرے نام پر غلط پروپیگنڈہ کیا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ان افراد سے انفرادی طور پر بات کی۔ لیکن جواہر لال نہیں مانے، اس لیے میں نے معاملہ وردھا میں ہونے والی میٹنگ کے لیے ملتوی کر دیا ہے۔ جب سبھاش صدر بنے ہیں تو ان کی رائے ہے کہ تمام وزارتوں کو یکساں پالیسی بنانی چاہیے۔ اس معاملے پر مہاتما گاندھی بھی ان سے متفق ہیں۔ جب ہم نے پارلیمانی کمیٹی بنائی ہے تو اس کا فیصلہ اجلاس میں کیا جائے گا۔ ہم یہ کام ان پر چھوڑ دیں۔ میں نے اس معاملے میں سردار پٹیل سے بھی بات کی ہے۔ وزراء کی میٹنگ بلائی جائے گی۔ بہار میں بہاری بنگالی مطمئن نہیں ہیں۔ سبھاش نے مجھے اطلاع دی تو میں نے ان سے کہا چونکہ یہ معاملہ بہار سے متعلق ہے اس لیے آپ بابو راجندر پرساد سے رابطہ کریں۔ ہم اس میں مداخلت نہیں کریں گے۔ بنیادی مسئلہ ملازمتوں کا ہے۔ پی. آر. داس سے بات کرنا بہتر ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ زیر کاشت زمینوں کو کوئی تیسری چھوٹ دی تھی۔ اس کی ایک کاپی زمینداروں کو دی گئی۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر M.1/1938، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

21. کلکتہ، 21 اپریل 1938

(i) کسی نے مجھے خط لکھا کہ پٹنہ ہائی کورٹ کے حکم پر راجہ کو دس سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔ لیکن کانگریس کی وزارت کے قیام کے بعد انہیں جیل سے رہا کر دیا گیا۔ یہ کیسے ہوا ہے؟

(ii) خان بہادر ڈاکٹر سید اعجاز حسین مظفر پوری نے برطانیہ سے پی.ایچ.ڈی کی ہے جب وہ واپس آئے تو ہگلی کے امام باڑہ میں /500 روپے تنخواہ پر معہ رہائش کے متولی مقرر ہوئے۔انہوں نے بہت اچھے طریقے سے امام باڑے کاانتظام کیا۔ جب شیعہ پولیٹکل کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ شیعوں کو بھی کانگریس میں شامل ہونا چاہیے تو اعجاز حسین بھی بنگال کے کچھ شیعوں کے ساتھ کانگریس میں شامل ہوگئے۔ یہ بات بنگال کے وزراء کو پسند نہیں آئی۔انہوں نے اعجاز حسین کو کانگریس چھوڑنے پر مجبور کیا۔لیکن جب انہوں نے ان کی بات نہیں مانی تو انہیں متولی کے عہدے سے ہٹادیا۔ لیکن کمشنر نے انہیں ہٹانے کی اجازت نہیں دی۔ مسٹر سرت چندر بوس اور سبھاش چندر بوس نے اعجاز حسین کے کیس کی سفارش کی ہے۔آپ ان کی مدد کریں تاکہ اعجاز حسین کو بہار میں کسی عہدے پر رکھا جا سکے۔

(iii) ہم نے فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل میں تاخیر کی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ مزید پیچیدہ ہو گیاہے۔ مسلم لیگ نے سندھ کی علاحدگی کو تسلیم کر لیا تھا اور پنجاب اور بنگال کی اکثریت کے ساتھ مشترکہ ووٹر کو بھی قبول کر لیا تھا۔ اگر ہم اس وقت مسئلہ حل کر لیتے تو کوئی جھگڑا ہی نہ ہوتا۔ نہرو رپورٹ کے بعد، مسٹر جناح نے صرف بالغ رائے دہی یا پنجاب اور بنگال میں نشستوں کے ریزرویشن کا مطالبہ کیا تھا۔ کانگریس اس مسئلہ کو حل کر سکتی تھی۔ اب یہی سوال لوکل باڈیز میں بھی اٹھ رہا ہے۔ اگر ہم نے وقت ضائع کیا تو بلدیاتی اداروں

سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ مسلم لیگ پہلے ہی الگ انتخاب کی قرارداد پاس کر چکی ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم نشستیں بچا سکیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر B.3/1938، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

22. کلکتہ، 4 مئی 1938

پٹنہ میں وقف کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ مسلم اراکین کو وقف علی الاولاد کی حقیقت سے آگاہ کیا گیا۔ اس کی آمدنی ٹیکس سے مستثنیٰ ہو گی۔ مولوی سجاد اور دیگر مسلم ارکان کی موجودگی میں میں نے ان تمام نکات کو واضح کیا جہاں اسلام کا حوالہ دیا گیا تھا۔ براہِ کرم مجھے بہار کے بنگالیوں سے نجات دلوادیں۔ اگر آپ ڈاکٹر پی. آر. داس سے بات کریں تو بہتر رہے گا۔ میرا خیال ہے کہ ان سے بات کرنے کے بعد یہ معاملہ حل ہو جائے گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 2، فائل نمبر A.4/1938، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

23. کلکتہ، 10 جولائی 1938

شری بابو نے مجھے پٹنہ بلایا ہے۔ ہم نے کیا کیا، اگر آپ بیان دیں تو اچھا ہو گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 2، فائل نمبر B.4/1938، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

24. کلکتہ، 11 جولائی 1938

میں نے زمینداروں اور کانگریس کے درمیان ہونے والے معاہدے کی اطلاع دی تھی۔ بہار

کے زمیندار کچھ پریشان تھے۔ وہ زیر کاشت زمین میں اپنی مرضی کے مطابق مختلف کام کرتے تھے۔ کانگریسیوں کو زمینداروں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنے پر راضی کریں۔ سبھاش بابو نے پریس میں انتہائی قابل اعتراض بیان دیا تھا۔ کانگریس کے صدر کا اس طرح کا بیان مناسب نہیں ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 2، فائل نمبر A/1938.1، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

25. کلکتہ، 14 جولائی 1938

بہار کانگریس نے زمیندار ایسوسی ایشن کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے۔ اب ہمیں یہ بات عام کرنی چاہئے کہ یہ معاہدہ کسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے سود مند ہے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ پٹنہ میں بھی لوگوں کے ذہن اس معاملے پر صاف نہیں ہیں۔ لوگ ہم پر الزام نہ لگائیں کہ ہم زمینداروں کے طرفدار ہیں۔ صوبائی کمیٹی ماتحت کمیٹیوں کو سرکلر بھیجے کہ وہ کسانوں کے لیے اس معاہدے کے فوائد کی وضاحت کریں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 2، فائل نمبر A/1938.1، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

26. 25 اکتوبر 1938 (جگہ کا نام نہیں لکھا ہے)

آپ بھاگلپور سے متعلق معاملات کو دیکھیں۔ مسلمان کانگریس کے ممبر ہیں لیکن ان کا مسلم لیگ سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ایسا کیوں ہے کہ کانگریس کمیٹی کا رکن ہندو مہاسبھا کا بھی رکن ہے۔ ابھی تک ہم نے فرقہ پرست جماعتوں کی فہرست کو جاری کر کے عام نہیں کی۔ ہمیں فوری طور پر مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کے لیے حکم جاری کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 5، فائل نمبر A/1938.4، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

27. کلکتہ، 28 اکتوبر 1938

جب میں پٹنہ آؤں گا تو آپ سے ملوں گا۔ میں ان باتوں پر بات کرنا چاہتا ہوں جو باتیں ڈاکٹر محمود سے ٹیلی فون پر ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 5، فائل نمبر 1938/4، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

28. کلکتہ، 11 نومبر 1938

آپ نے درست ہی کہا کہ ہمارا ایک آزاد پارٹی سے معاہدہ ہونا چاہیے۔ ہم مخالفت کرنے کے بجائے ان کا تعاون حاصل کریں۔ پٹنہ میں، میں مولوی سجاد سے بات کروں گا۔ اگر آزاد پارٹی کا کوئی فرد آپ سے ملنا چاہے تو آپ اس سے ضرور بات کریں۔ آپ نے مسلم سیٹ کے ضمنی انتخاب کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے لیے ہمارے پاس جو حکمت عملی تھی اس کو آپ جانتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ سیاسی حالات کانگریس کے امیدوار کو اس عہدے پر رکھنے کے لیے موزوں ہوں گے یا نہیں۔ یہ ہمارے لیے مفید ہے یا نقصان دہ؟ ہم آزاد پارٹی سے بھی بات کر سکتے ہیں۔ بھاگل پور فسادات پر ایک کمیٹی بنائی گئی ہے لیکن اس کے کچھ ارکان ہندو مہاسبھا کے بھی ممبر ہیں۔ اگر کانگریس سرکلر جاری کرتی ہے کہ کسی بھی فرقہ پرست پارٹی سے تعلق رکھنے والا شخص کانگریس کا ممبر نہیں بن سکتا تو مسلمانوں پر اس کا مثبت اثر پڑے گا۔ آپ صورتحال کا جائزہ لیں۔ کانگریس کے انتخاب پر مسلمانوں کی شکایات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کیا کرنا ہے؟ بھاگل پور میں ہندو مسلم تعلقات دن

بہ دن خراب ہوتے جارہے ہیں اور بھاگلپور میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹنے کا خدشہ ہے۔پروفیسر باری مجھ سے ملنے آئے تھے۔وہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہوئے۔میں نے ان سے کہا کہ وہ آپ سے ملیں۔آپ بھاگل پور کے مسلمان کانگریسیوں کو بلا کر ان کی بات سنیں تب ہی ان کے ذہن صاف ہو سکیں گے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 6، فائل نمبر A/1938.4، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

29. کلکتہ، 19 نومبر 1938

ہزاری باغ کے مسلمانوں کے ضمنی انتخاب کے بارے میں مومن برادری سے تعلق رکھنے والے لوگ آئے تھے اور مجھے بتایا کہ اگر عبدالرزاق یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ جمیعۃالانصار کی حمایت کریں گے تو میرے خیال سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مومن برادری کے تعاون سے کامیاب ہوں۔لیکن ہمیں انہیں کانگریس کے امیدوار کے طور پر اعلان نہیں کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 5، فائل نمبر A/1938.4، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

30. کلکتہ، 5 فروری 1939

ہم پہلے پشاور کا معاملہ حل کریں گے پھر میں وردھا جاؤں گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر A/1939.2، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

31. کلکتہ، 19 اپریل 1939

میرا خیال ہے کہ سبھاش بابو کانگریس کے فیصلے کو خوشی سے قبول کریں گے۔ پھر کوئی اور سوال نہیں اٹھے گا۔ اب مہاتما گاندھی فیصلہ کریں گے کہ کمیٹی کے ممبران کون ہوں گے۔ لیکن سبھاش کے بیان اور وہ طویل خطوط جو انہوں نے مہاتما گاندھی کو لکھے تھے اس نے حالات کو مزید خراب کر دیا۔ اب اس کا فیصلہ کانگریس کمیٹی کرے گی۔ زمینداروں کو شکایت ہے کہ بورڈ تشکیل دینے کا فیصلہ ہوا تھا لیکن آج تک یہ نہیں بن سکا۔ بورڈ کی تشکیل کی ضرورت ہے لیکن اس کی دفعات پر ہمیں غور کرنا ہوگا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1939/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

32. کلکتہ، 11 جون 1939

میں نے ڈاکٹر رائے سے کہا کہ وہ مینیجر کو فون کریں اور ان سے بات کریں۔ بات آگے بڑھی تو ہڑتال کی بات کریں گے۔ لیکن، اس معاملے میں کانگریس کیا کر سکتی ہے؟ میں اس بارے میں آپ سے مشورہ کروں گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

33. کلکتہ، 16 جون 1939

فخر الدین احمد نے مجھ سے ملاقات کی اور میں نے ان سے کہا کہ منسٹری، گورنر سے پوچھے کہ جب مزدور اپنی ڈیوٹی کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں تو کمپنی انہیں فارغ کرنے پر کیوں بضد ہے۔ کمپنی کو اپنا رویہ بدلنا چاہیے۔ فخر الدین احمد شیلانگ گئے اور باردولی سے بات کی۔ کمپنی نے

تمام مزدوروں کو کام پر واپس لینے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ ہڑتال پر جانے پر کسی کو سزا نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے سردار پٹیل کو لکھا ہے کہ پنجاب اسمبلی کے اراکین پارٹی کی تلاش میں حصہ دینے پر راضی نہیں ہیں۔ صرف ڈاکٹر گوپی چند اور میاں فیض الدین نے اپنا حصہ دیا تھا۔ دوسرا مسئلہ کمیٹیوں میں مسلمانوں کو ممبر بنانے کا ہے۔ اب ہم کمیٹیوں میں مسلمانوں کی تعداد کا فیصلہ کریں۔ لوگ کانگریس کے اجلاسوں کی تاریخوں کو کرسمس سے فروری کی کچھ تاریخوں میں منتقل کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ مومن کانفرنس کے علی حسن بہاری ملنے آئے اور بتایا کہ جو الاؤنس انہیں مل رہا تھا وہ بند کر دیا گیا ہے۔ پتہ نہیں ہم ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے تھے وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

34. 8 جولائی 1939 (جگہ کا نام نہیں لکھا ہے)

کانگریس کے ممبران کانگریس کی ایگزیکٹو باڈیز کے فیصلے کے خلاف مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس کے خلاف تادیبی کارروائی شروع کرنی چاہیے۔ جولائی میں سجاد ظہیر نے تقریر کی۔ وہ مجھ سے ملنے آئے تھے۔ جب میں نے سب کچھ سمجھایا تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور کہا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ اگر سبھاش اپنے موقف پر قائم رہتے ہیں تو ان کے پاس صوبائی کمیٹی کی صدارت اور ایگزیکٹو کمیٹی کی رکنیت سے ہٹائے جانے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ ہمیں سب کے لیے یکساں فیصلہ کرنا ہوگا۔ تادیبی کارروائی میں انہیں ان کے عہدے سے ہٹا دیا جائے تاکہ کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اگر ممکن ہو تو آپ مجھ سے ٹیلی فون پر بات کریں اور جواہر لال سے بھی کہیں کہ وہ مجھے بھی فون کریں تاکہ ہم اس مسئلہ پر بات کر سکیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

35. 13 جولائی 1939 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

اڑیسہ سے ایک مسلمان وزیر کو شامل کر لینا ہمارے لیے بہت سود مند ہے۔ پورے ملک میں اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ کلکتہ کے مسلمانوں کا ایک وفد آپ سے ملا ہو گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

36. 14 جولائی 1939 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

آپ نے پنجاب سے متعلق میری رائے دریافت کی تو میں نے اس کا جواب بھیج دیا ہے۔ جب تک ہماری زبان میں یہ سہولتیں میسر نہیں ہیں، اس وقت تک ہم انگریزی کے بغیر کام نہیں چلا سکتے۔ میرے خیال میں ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہونی چاہیے لیکن مہاتما گاندھی اور جواہر لال دونوں کی موجودگی بہت ضروری ہے۔ قابل غور بات یہ کہ سابقہ ملاقات انہوں نے کلکتہ میں میری رہائش گاہ پر کی تھی کیونکہ میرا گھٹنا ٹھیک کام نہیں کر رہا۔ براہ کرم مجھے اڑیسہ سے متعلق اپنی رائے سے مطلع کریں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

37. 18 جولائی 1939 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

مسٹر جناح پوری کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ کانگریس کے تعلقات خوشگوار نہ

ہوں۔اڑیسہ میں لیگ نہیں تھی لیکن لطیف الرحمان کی وجہ سے مسئلہ کھڑا ہوا۔اگر ہم اڑیسہ سے ایک مسلمان وزیر کو مقرر کرتے ہیں تو اس کا پوری کمیونٹی پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔زیادہ تر غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

38. 20 جولائی 1939 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

سبھاش بابو نے ایک تجویز پیش کی اور اسے نئی کونسل کے پاس غور کرنے کے لئے بھیجا۔میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس طرح کرنے کی کیا کوئی وجہ ہے؟ یہ بالکل نہیں تھا۔یہ قانونی طور پر غلط ہے۔ایک کاؤنسل جو بنائی گئی ہے اور اس نے کام شروع کر دیا ہے تاکہ غیر ضروری طور پر اسے ختم کر دیا جائے۔اور بغیر کسی قانونی وجہ کے، ہم نیا الیکشن کیوں کریں۔یہ سب بے معنی ہے۔میں نے تمام ممبران سے کہا ہے کہ وہ اپنے اپنے دستخطوں کے ساتھ اپنی شکایات آپ کو بھیجیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

39. 20 جولائی 1939 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

میں نے بنگال کے صوبائی مسائل کی بابت ایک خط بذریعہ ڈاک ارسال کیا ہے۔یہ انتہائی ضروری ہے۔اس پر آپ کی توجہ درکار تھی۔اس کے بارے میں آپ بنگال کے صدر یا سکریٹری سے دریافت کریں اور انہیں کمیٹی کی کارروائی کو ملتوی کرنے کی ہدایت دیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی

دہلی

40. کلکتہ، 11 اگست 1939

بہار کے ڈپٹی ایڈوکیٹ جنرل سید جعفر امام کو ان کے عہدے سے برطرف کیا جارہا ہے۔ مسٹر یونس چاہتے ہیں کہ ان کے بیٹے مسٹر یاسین، بیرسٹر ایٹ لاء کو اس عہدے پر مقرر کیا جائے لیکن میں ان کے بارے میں نہیں جانتا۔ اگر ہم جناب یاسین اور آزاد پارٹی کو خوش کرتے ہیں تو ہمیں اس موقع کا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

41. لکھنؤ، 18 اکتوبر 1939

وائسرائے کے اعلان نے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب ہمیں ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ کرنی ہے۔ میں نے سر سکندر حیات سے ٹیلی فون پر بات کی ہے۔ اب کانگریس اور لیگ کے درمیان ہندو مسلم مسئلہ پر معاہدہ ہونے کا امکان ہے۔ کانگریس اور لیگ اپنے ارکان کا انتخاب کریں جو اس مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔ آپ سکندر حیات کو ان کے خط کے جواب میں مراسلہ تحریر کریں۔ لیگ کے اقدامات پر اس کا اچھا اثر پڑے گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

42. 4 جنوری 1940 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

ترکی کے لیے فنڈ کے لیے آپ کی اپیل شائع ہو چکی ہے۔ آپ نے بلدیو سہائے کو ایڈوکیٹ

جنرل کے عہدے سے مستعفی ہونے کا مشورہ دیا ہے۔ان کے استعفیٰ سے کئی چیزوں کی تلافی ہو گی۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

43. 4 جنوری 1940 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

محمد یونس مجھ سے ملنے آئے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ بہار میں ان کی پارٹی مسلم لیگ پر سبقت حاصل کر سکتی ہے تو ہم ان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کریں گے۔ ہم بہار کی صوبائی کانگریس اور آزاد پارٹی کی مشترکہ کمیٹی تشکیل دیں۔انہیں ایک پروگرام بنانا چاہئے اور دونوں کو بہار میں کام کرنا چاہئے۔ اس طرح بہار کے مسلمان خود کو لیگ سے دور کر سکتے ہیں اور کانگریس سے قربت حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ بھی اس خیال کی تائید میں خط لکھیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

44. کلکتہ، 2 فروری 1940

اگر آپ کے لیے صدارتی خطبہ کا ہندی میں ترجمہ کرانا ممکن ہو تو میں اردو متن بھیج دوں گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

45. 7 فروری 1940 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

میں آپ کی توجہ اس معاملے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جہاں بھی کانگریس کا اجلاس ہوتا ہے وہاں تمام بورڈ اور اعلانات سب کچھ دیوناگری میں لکھے جاتے ہیں۔ اردو کہیں نظر نہیں آتی۔ اگر یہ مسئلہ فرقہ وارانہ موڑ نہ لیتا یا اعتماد کی کمی نہ ہوتی تو یہ مسئلہ اخبارات میں بہت زیر بحث نہ ہوتا۔ کانگریس کے مسلم ارکان بھی اس مسئلہ کو اٹھا رہے ہیں۔ کرپلانی جی نے کانگریس کے تریپورہ اجلاس میں اردو میں اعلانات اور بورڈ لکھے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن جب میں وہاں گیا تو اردو کہیں نہیں تھی۔ چونکہ میں نے اس معاملے کو کانگریس کے مسلم ممبران کے ساتھ واضح کیا تھا اس لیے مجھے اس پر بڑی شرمندگی ہوئی۔ کچھ اردو اخبارات کانگریس کی حمایت میں تھے لیکن اس مسئلے نے انہیں دوسرے کیمپ میں ڈھکیل دیا ہے۔ اب رام گڑھ میں کانگریس کا اجلاس ہونے جارہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ استقبالیہ کمیٹی نے کیا ایکشن لیا؟ کانگریس نے قومی زبان کے لیے دو رسم الخط قبول کیے ہیں اس لیے اس پر غور کرنا چاہیے۔ لہذا تمام بورڈ دیوناگری اور اردو دونوں میں ہونے چاہئے۔ بنگال کے صوبائی ایگزیکیٹو نے کچھ قراردادیں منظور کی ہیں۔ یہ قراردادیں سراسر بغاوت ہیں۔ کلکتہ کارپوریشن کا الیکشن ہونے جارہا ہے۔ موجودہ بی. پی. سی نے سبھاش کو انتخاب لڑنے والے امیدواروں کے ناموں کا انتخاب کرنے کا اختیار دیا ہے۔ پتہ نہیں کب طے ہوگا؟

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

46. دہلی، 19 فروری 1942

میں جواہر لال اور کرپلانی الہ آباد میں ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو آپ بھی الٰہ آباد جائیں

تاکہ ہم بہار سے متعلق امور پر گفتگو کر سکیں۔ واپسی میں، میں ایک دن پٹنہ میں قیام کروں گا تاکہ کچھ لوگوں سے ملاقات کر کے مسائل پر بات کر سکوں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر A/1940.2، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

47. 9 مارچ 1942 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

اجلاس میں آپ کی حاضری بہت ضروری ہے۔ مہاتما گاندھی نے ہمیں میٹنگ رکھنے کے لیے 17 تاریخ کا وقت دیا ہے۔ ہمیں بہار کے حالات کا جائزہ لے کر بہار کی بہتری کے لیے مثبت چیزوں کو منظرِ عام پر لانا ہو گا۔ براہِ کرم میٹینگ میں شرکت کے لئے اسے ایک اہم مدعا بنائیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر A/1942.2، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

48. گلمرگ، کشمیر، 17 اگست 1945

میں نے آپ کو دربھنگہ میں پیش آنے والے سانحہ سے متعلق اخبار کی کٹنگ بھیجی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس معاملے کی انکوائری کریں گے۔ اگر ہمارا اخلاص اور ہمدردی سامنے آئے گی تو اس کے بہت مثبت اور صحت مند اثرات مرتب ہوں گے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1945/1646،47، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

49. 1 نومبر 1945 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

میرے خیال میں مسلم نشستوں کا انتظام جو بہار میں ہے، وہی طرز دیگر صوبوں میں بھی اپنایا جانا چاہیے۔ ہم کانگریس کے ٹکٹ پر اپنا امیدوار صرف اس صورت میں کھڑا کر سکتے ہیں۔ لیکن صرف اس شرط پر کہ وہ الیکشن جیتنے والا ہو۔ بصورت دیگر وہ آزاد مسلم بورڈ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑیں۔ ہم اس کی مدد کریں گے۔ یہ آج کے موجودہ حالات میں بہتر رہے گا۔ بہار کی کانگریس پارٹی کے نظام میں اصلاح کی کوشش کریں۔ گروپ بندی کی پوزیشن کیا ہے؟ ہم الیکشن کا کام کر رہے ہیں۔ لوگوں کو نظم و ضبط کے ساتھ رہنے کی ہدایت کرنا چاہئے۔ آپ متعینہ شرائط پر امیدواروں کا نام تجویز کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 46،47 صفحہ 1945/16، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

50. مرزاپور، وندھیاچل، 11 نومبر 1945

کانگریس کی نشستوں کے لیے یہ طے ہوا ہے کہ ہم غیر لیگی مسلم پارٹیاں بنائیں اور ان سیٹوں سے الیکشن لڑیں۔ ہمیں ان کے انتخاب میں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ مولوی منت اللہ مونگیری نے بہار میں دفتر بھی کھول رکھا ہے۔ جیسا کہ بنگال میں تھا، ہم نے ایک بورڈ بنایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بہار میں بھی کچھ بورڈ بنانا چاہئے۔ مومن آزاد پارٹی اور سوشلسٹ کو الگ الگ بورڈ بنانا چاہیے جیسا کہ مرکزی بورڈ تشکیل دیا گیا تھا۔ ہمارے یہاں جہاں بھی مومن برادری کی اکثریت ہے وہاں ہمیں مومن برادری کا امیدوار رکھنا چاہیے۔ ہمیں یونس صاحب سے بھرپور مدد لینی چاہیے۔ پھلواری کا لوگوں پر بہت اثر اور کنٹرول تھا، لہٰذا ہمیں ان کی بھی مدد لینی ہے۔ جہاں تک کانگریس کا اپنا امیدوار کھڑا کرنے کا سوال ہے تو کانگریس امیدوار کے جیتنے کی

زیادہ امید نہیں ہے۔ہم یہ نہیں دیکھنا چاہتے کہ کانگریس کے کتنے امیدوار الیکشن جیتتے ہیں۔بلکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کتنے غیر لیگی امیدوار الیکشن جیتتے ہیں۔مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے نتائج انتہائی افسوسناک ہیں۔آپ بہار کے لیے الیکشن فنڈ کا بندوبست کریں۔اگر آپ کو مزید ضرورت ہو تو آپ مرکز سے کچھ فنڈ لے سکتے ہیں۔میں بمبئی خط لکھ رہا ہوں کہ وہ آپ کو 25000 روپے بھیج دیں۔اگر محمد حسین، قاضی احمد حسین اور مولوی منت اللہ مونگیری کوششیں کریں تو کامیابی مل سکتی ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 46، 47 صفحہ 1945/16، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.51

رفیع احمد قدوائی اور حافظ محمد ابراہیم آل انڈیا مسلم بورڈ کے ممبر ہیں۔ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ 7 تاریخ کو اور سنٹرل بورڈ کی میٹنگ 9 تاریخ کو کلکتہ میں ہوگی۔اگر امیدواروں کی فہرست بہار کے صوبائی بورڈ نے تیار کرلی ہے تو بورڈ اس پر بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔

.52 کلکتہ، 28 دسمبر 1945

قاضی احمد حسین نے درج ذیل نکات کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔

(i) ابتدائی دینی تعلیم

(ii) اوقاف بل

(iii) مشاورتی کمیٹی کی تشکیل۔

تعلیم سے متعلق معاملہ مرکزی حکومت کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔اس کا فیصلہ وہ ہی کریں گے۔باقی دو باتیں آپ خود قبول کر سکتے ہیں۔رہا معاملہ الیکشن کا تو کانگریس کے ٹکٹ پر کتنے

مسلم امیدواروں کو کھڑا کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود اور عبدالباری کانگریس کے ٹکٹ پر الیکشن لڑیں گے۔ دیگر کے بارے میں ہمیں غور کرنا ہوگا۔ اگر ہم لیگ کو ہرانا چاہتے ہیں تو ہمیں مومن پارٹی اور جمعیۃ امارت شرعیہ کے امیدواروں کو سپورٹ کرنا ہوگا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 46،47 صفحہ 1945/16، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

53. کلکتہ، 1 اپریل 1946

آپ رادھا کرشن پرساد کے معاملے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر مجھے گورنر کی نامزدگی کے بارے میں پہلے پتہ چل جائے تو ہم ایک خاتون کو نامزد کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ میں سرسوتی دیوی کے لیے اپنی رائے نہیں دے سکتا تھا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 46، 47 صفحہ 1945/16، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

54. دہلی، 20 اکتوبر 1946

آپ نے اپنا پتہ نہیں لکھا۔ ہمیشہ تاریخ اور پھر اپنا پتہ لکھنا یاد رکھیں۔ آپ کی بیٹی کی شادی میں مجھ سے جو بھی مدد ہو سکے گی میں کروں گا۔ اس پر باقر حسین، 1-وارناتھ روڈ، لکھنؤ پتہ لکھ دیں۔

باقر حسین خان کلیکشن، نمبر 372(PA)، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

55. دہلی، 3 دسمبر 1946

پیاری آمنہ! مجھے خوشی ہے کہ آپ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی تعلیم میں دلچسپی لے رہی

ہیں۔آپ نے اپنی بیٹی کی تعلیم کے حصول کے لیے بھرپور تعاون کیا۔
باقر حسین خان کلیکشن، نمبر372 (PA)، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.56

شری کرشن ولبھ آپ کے خط کے ساتھ مجھ سے ملے۔ سردار پٹیل اور دربھنگہ سے سلطان احمد نے بتایا کہ ایک وفد آپ سے ملنے آیا تھا۔انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ بہار زمینداری بل کے لیے انھیں اپنا نقطہ نظر رکھنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ہمیں بہار کے زمینداروں کو ایک موقع دینا چاہئے کہ وہ اپنا نقطہ نظر پیش کر سکیں۔میں آپ سے مکمل اتفاق کرتا ہوں کہ اس بل کو اسمبلی میں پیش کیا جانا چاہیے اور اسے پاس کیا جانا چاہیے۔
ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر1، فائل نمبر C. 18/1948، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.57 دہلی، 1جون 1948

مہاتما گاندھی اس بات پر زور دے رہے تھے کہ آئین کے مسودے کا دیوناگری اور اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ پنڈت سوریا کانت اور پنڈت سندر لال کر رہے ہیں۔اب آئین کے ترجمے سے یہ لوگوں تک پہنچ سکے گا اور وہ اس پر اپنی تجاویز دے سکیں گے۔
ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن ، نمبر2، فائل نمبر C18/1948، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.58 7 جولائی 1948(جگہ کا نام درج نہیں ہے)

آپ بنگال میں کانگریس پارٹی کی پوزیشن سے بخوبی واقف ہیں۔وہاں یہ گروہوں میں بٹی ہوئی

ہے۔ان کی اپنی پلاننگ ہے۔اگر ہیرین چودھری کی وزارت ختم ہوگئی تو یہ بہت بڑا نقصان ہو گا۔بدھن دہلی آرہا ہے، میں اس سے اس کی وضاحت کر دوں گا۔کانگریس پارٹی کے صدر کی اجازت کے بغیر الیکشن نہیں ہو سکتا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر2، فائل نمبر C-18/1948، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.59 27 جولائی 1948 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

بنگال کی صوبائی کمیٹی کے اراکین نے مشرقی بنگال پر قبضے سے متعلق تبادلہ خیال کیا ہے۔کمیٹی میں کلکتہ کے باشندوں کو اکثریت حاصل ہے۔لہٰذا مشرقی بنگال کا مغربی بنگال کمیٹی کے زیرِ کنٹرول آنے کا امکان ہے۔میرے خیال میں بطور صدر آپ کو اس معاملے میں مداخلت کرنی چاہیے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر2، فائل نمبر C18/1948، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.60 29 جولائی 1948 (جگہ کا نام درج نہیں ہے)

مجھے بسنت لال کے ٹیلی گرام سے معلوم ہوا ہے کہ 149 درخواستیں قبول کی گئی ہیں۔ہم نے پارلیمانی کمیٹی میں جو بھی فیصلہ کیا ہے اس سے ایسا لگتا ہے کہ کلکتہ کی سیاست بھی آل انڈیا کانگریس پر حاوی ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر2، فائل نمبر C18/1948، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.61 دہلی، 19 ستمبر 1949

امن کمیٹی کی محنت اور کوشش سے دہلی کی کچھ مساجد خالی کرائی گئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم ایک پروگرام ترتیب دیں اور ان مساجد کو وقف کمیٹی کے حوالے کر دیں۔ جب آپ واپس آئیں گے تب ہی ہم آپ کی موجودگی میں یہ پروگرام منعقد کر سکیں گے کیونکہ آپ امن کمیٹی کے صدر تھے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، فائل نمبر ARP.10/1949، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.62

میری طرف سے وائس چانسلر کے لیے تجویز کردہ نام کو آپ نے قبول کیا اس کے لئے میں آپ کا بے حد مشکور ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس فائل پر سیکرٹری کے دستخط نہیں تھے۔ ڈپٹی سیکرٹری نے دستخط کئے تھے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگلی بار جو بھی فائل آپ کے پاس جائے اس پر میرے یا سیکرٹری کے دستخط ہوں گے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، فائل نمبر 1950/39، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.63

آپ چاہتے ہیں کہ مدرسہ کی موجودہ عمارت کو ہاسٹل میں تبدیل کیا جائے اور نئی خریدی گئی زمین پر ہم مدرسہ کی نئی عمارت تعمیر کریں۔ ہم مشکل دنوں سے گزر رہے ہیں اور ایسے میں ہمیں نئی عمارتیں بنانے کے بجائے تعلیم پر پیسہ خرچ کرنا چاہیے۔

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی، رجسٹریشن نمبر 2430/5 (اورینٹل رکارڈس)

64. جگہ کا نام اور تاریخ نہیں ہے۔

میرے پیارے قانون گو!

مجھے آپ کا خط ملا۔ جیسا کہ بسوناتھ داس نے تجویز کیا، میں نے تینوں افراد کو خط بھیجے دئے۔ اب مجھے ان کے جواب کا انتظار ہے۔ ان کا جواب آنے کے بعد ہی میں آپ کو خط لکھوں گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر I/19380

65. جگہ کا نام اور تاریخ نہیں ہے۔

ڈاکٹر پرجاپتی اور کمیٹی کے دیگر اراکین نے اراکین سے ملاقات کی اور وہی سوالات پوچھے۔ مجھے یہ پسند نہیں آیا۔ مجھے لگتا ہے کہ انہیں کانگریس کے خیالات کی پرواہ نہیں ہے۔ لوگ اس پر اعتراض کر رہے ہیں۔ آپ انہیں قائل کر لیں۔ ایسی باتوں سے ہمارے دشمنوں کو ہمیں نقصان پہنچانے کا موقع ملے گا۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 7، فائل نمبر A/19384

66. جگہ کا نام اور تاریخ درج نہیں ہے۔

میں نے ہندو یونیورسٹی کے حوالے سے آپ کا نوٹ پڑھا۔ میں ایک بار پھر آپ کی توجہ اس جانب مبذول کرواتا ہوں کہ اس کا وائس چانسلر کسی نامور شخص کو ہونا چاہیے۔ میرے خیال میں نریندر دیو اس کے لیے موزوں رہیں گے۔ پریچہ میں زیادہ خوبیاں نہیں ہیں۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ برائے مہربانی نریندر دیو کا نام قبول کریں۔ وہ یونیورسٹی کے مفاد میں بہتر ثابت ہوں گے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، فائل نمبر 1950/39

67. جگہ کا نام اور تاریخ درج نہیں ہے۔

مجھے کرنال سے ایک درخواست موصول ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ لوگ صوبائی کانگریس اور اسمبلی پارٹی کے کاموں میں فرق نہیں کر سکتے۔ مجھے نہیں معلوم لوگ مجھے ایسی شکایات کیوں بھیجتے ہیں۔

ڈاکٹر راجندر پرساد کلیکشن، نمبر 1، فائل نمبر 1940/1

68. 16 مارچ 1953

جواہر لال نہرو کے نام خط: میں وزارت دفاع کے کاموں میں گہری دلچسپی لینا چاہتا ہوں۔ آپ وزارت کو ہدایت دیں کہ وہ مجھے اس کی میٹنگ کے بارے میں آگاہ کریں۔

نمبر 10.1، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

69. 16 مارچ 1953

صدر کے نام خط: مجھے ڈاکٹر جھا کا جواب موصول ہوا اور وہ دہلی یونیورسٹی کی وائس چانسلر شپ قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اب کمیٹی کو نیا پینل بنانا چاہیے۔

نمبر 1، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

70. 17 مارچ 1953

جواہر لال نہرو کے نام خط: ہم نے یونیسکو کو لکھا ہے کہ ہندوستان ڈائریکٹر شپ کے لیے کسی امیدوار کی تجویز نہ کرے۔

نمبر 4، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

71. 20 مارچ 1953

دیوا کر کے نام خط: میں نے نالندہ انسٹی ٹیوٹ سے متعلق صدر سے بات چیت کی تھی۔ اس کی بہت ضرورت ہے۔ لیکن حکومت کی مالی پوزیشن زیادہ مضبوط نہیں ہے۔ لیکن میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔

نمبر6، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

72. 24 مارچ 1953

کے۔ایس۔ ویدیا کے نام خط: یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ حیدر آباد میں ایک انسٹی ٹیوٹ آف ایشین اسٹڈیز قائم کرنے جارہے ہیں۔

نمبر10، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

73. 28 مارچ 1953

منشی کے نام خط: میں نے ڈاکٹر بھٹناگر کو بمبئی بھون سے متعلق کارروائی کرنے کی ہدایت کی ہے۔

نمبر13، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

74. 1 اپریل 1953

ارکاٹ کی شہزادی کے نام خط: آپ کے کیس کا ہندوستان کے آئین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کا معاملہ 1800 کے معاہدے اور 1870 کی ملکہ وکٹوریہ کے لیٹر پیٹنٹ کے تحت چلایا جائے گا۔ پرنس آف آرکوٹ کی پنشن فیملی ممبرز کے پاس جائے گی۔ سابق شہزادے نے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا۔ تو یہ تمہارے چچا کے پاس جائے گا۔ حکومت ہند نے انہیں شہزادہ تسلیم کر لیا

ہے۔ جو کچھ تمہارے باپ کی ذاتی جائیداد ہے تمہیں اس کا حصہ ملے گا۔ آپ اس معاملے میں عدالت سے رجوع کر سکتی ہیں۔
نمبر15، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.75 27مارچ 1953
یونیورسٹی گرانٹس کمیٹی کے لیے ڈاکٹر رادھا کمد مکھرجی کے نام پر غور کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر راجندر پرساد کو خط لکھا ہے۔
نمبر12، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.76 1 اپریل 1953
کرشناچاری کے نام خط: میں نے گلزاری لال نندا سے مشاورتی بورڈ کے الحاق کے مسئلہ پر بات کی کہ کس وزارت سے اس کا تعلق ہو گا۔ میری رائے میں اس کا الحاق وزارت تعلیم سے ہونا چاہیے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ پلاننگ کمیشن میں اس مسئلہ پر بات ہوئی تھی کہ اس بورڈ کو وزارت خزانہ سے الحاق کیا جائے۔ برائے مہربانی مجھے اس کے بارے میں مطلع کریں۔
نمبر14، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.77 4 اپریل 1953
اجیت پرساد کے نام خط: کرنل زیدی نے مجھے ایک خط بھیجا تھا جو میں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ انہوں نے لکھا تھا کہ ایک باپ کے کچھ بیٹے پاکستان ہجرت کر گئے اور کچھ ہندوستان میں ہیں۔ ان کے والد کا پاکستان میں انتقال ہو گیا تھا اس لیے جو پاکستان ہجرت کر گئے ان کی جائیداد ایکیو پراپرٹی ہو گی لیکن پوری جائیداد کسٹوڈین میں نہیں جائے گی۔ اس معاملے میں ان کی پوری

جائیداد کسٹوڈین ڈیپارٹمنٹ نے اپنے قبضہ میں لے لی ہے۔انصاف کی رو سے وہ ان کو مل جانی چاہئے۔
نمبر16، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

78. 4 اپریل 1953
رام کرشن راؤ کے نام خط: ڈاکٹر امبیڈکر نے اورنگ آباد کالج کے حوالے سے ایک خط لکھا کہ اتنے چھوٹے شہر اورنگ آباد میں دو کالج کھولے گئے۔اس کی وجہ سے کالج آف ایجوکیشن کو نقصان ہو رہا ہے کیونکہ اس کا انتظام سوسائٹی آف ہریجن کمیونٹی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ہمیں پوری ہمدردی کے ساتھ اس مسئلے کا جائزہ لینا چاہئے۔
نمبر19، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

79. 4 اپریل 1953
انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سوشل آرڈر، پونا کے حوالے سے ڈاکٹر سوز کو لکھا خط: میں نے ان تمام کاغذات کا بہت باریک بینی سے جائزہ لیا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ یہ ادارہ ایسے طلباء پیدا کرے گا جو پانچ سالہ منصوبہ بندی اور دیگر کمیونٹی پروجیکٹس کے لیے مددگار ثابت ہوں گے۔
نمبر17، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

80. تاریخ درج نہیں ہے
یونیورسٹیوں اور ریاستی حکومتوں کو وزارت کی مالی مدد سے متعلق خط: پلاننگ کمیشن نے محکمہ تعلیم کے ڈیولپمنٹ کے لیے چار کروڑ روپے مختص کئے ہیں جو چار سال کی مدت میں خرچ کیے جانے ہیں۔ 16 اکتوبر 1951 کو وزارت نے اس کے طریقہ کار پر غور کرنے کے لیے

ڈویژنل سربراہان کا اجلاس بلایا۔ 9فروری 1952 کو ہم نے تمام حکومتوں اور یونیورسٹیوں کو خط بھیجا تھا کہ وہ اپنی تجاویز یونیورسٹی ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کو بھیجیں۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنی تجویز نہیں بھیجی۔ پھر 21 جون 1952 کو اس سلسلے میں ایک اور سرکلر بھیجا گیا۔ کچھ یونیورسٹیوں نے دسمبر 1952 میں اپنی تجاویز بھیجیں۔ پھر 16.12.1952 کو ایک اور خط بھیجا گیا کہ وہ 31.12.1952 تک اپنی تجاویز بھیجیں۔ صرف چند لوگوں نے تجاویز بھیجی تھیں اور باقیوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے اس فائل کو 25.1.1953 کو حتمی شکل دی ہے کیونکہ وزارت اب مزید انتظار نہیں کر سکتی۔ ہم نے 28 لاکھ کا بجٹ تجویز کیا لیکن وزارت خزانہ نے صرف 20 لاکھ کی منظوری دی۔

نمبر 22، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

81. 14 اپریل 1953

خط وزارت ہاؤسنگ سے متعلق ہے، جہاں مولانا نے دوسرے کمرے میں ایک اور ائیر کنڈیشنر (اے. سی.) فراہم کرنے کے لیے لکھا تھا۔ اس کا حکم وزارت نے دیا تھا۔ لیکن وہ اسے تین ماہ بعد فراہم کرے گی جب موسم گرما ختم ہو جائے گا۔

نمبر 23، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

82. 15 اپریل 1953

پنجاب اسمبلی کے اسمبلی ممبران کے رویے کے حوالے سے ستیہ پال ملک کو لکھا گیا خط: جس کے لیے پہلے کانگریس کو بدنام کیا گیا تھا۔ میں آپ سے اس معاملے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔

نمبر 25، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

83. 15 اپریل 1953

بھیم سین کے نام خط: اس میں لکھا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ پنجاب اسمبلی کے کچھ اراکین نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ اسمبلی کو ایک قرارداد منظور کرنی چاہیے کہ ایوان بالا کو برقرار رکھنے کے لیے کہ اسے جاری رکھا جائے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اِس وقت یہ مسئلہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ ہمیں اپنے آئین پر عمل کرنا چاہئے۔اس مسئلے کو ہم بعد میں اٹھا سکتے ہیں۔
نمبر26، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

84. 18 اپریل 1953

وزارت خارجہ کی پارلیمانی سکریٹری مسز لکشمی مینن کے مضمون کے حوالے سے جواہر لال نہرو کو لکھا گیا خط جس میں انہوں نے وزارت تعلیم پر تنقید کی تھی: ان کے الزامات بے بنیاد ہیں۔ یہ مناسب نہیں کہ سیکرٹری وزارت کے کام کے خلاف لکھے۔ وہ سیکرٹری، وزارت تعلیم، یا مجھے خط لکھ سکتی تھیں۔اس طرح کا عمل مستقبل میں مسائل پیدا کرے گا۔ میں آپ کو ان کا مضمون بھیج رہا ہوں۔
نمبر27، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

85. 22 اپریل 1953

راجا جی کے نام خط: پرنس آف آرکاٹ کا انتقال ہو گیا اور ان کی جانشینی کا سوال درپیش ہے۔ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ آپ کی سفارش پر صدر جمہوریہ ہند نے ان کی والدہ کو جانشین مقرر کیا ہے۔ لیکن اسلام بیٹے اور بیٹی میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ فضل النساء نے دعویٰ کیا ہے کہ انہیں جانشین مقرر کیا جائے۔انہوں نے لکھا ہے کہ انگریزوں میں صرف بیٹا ہی جانشین ہو سکتا ہے لیکن ہندوستانی آئین مرد اور عورت میں امتیاز نہیں کرتا۔ اس لیے مجھے اپنے والد کا جانشین

مقرر کیا جانا چاہیے۔ میرے خیال میں فضل النساء کی دلیل درست ہے۔ میں ہندوستان کے صدر کی طرف سے پہلے سے ہی کیے گئے فیصلے کو تبدیل نہیں کرنا چاہتا، لیکن ہم انہیں کچھ مالی مدد دینے کے لیے کہہ سکتے ہیں۔

نمبر29، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.86 28 اپریل 1953

عبدالرحیم کی درخواست کے حوالے سے لال بہادر شاستری کو لکھا گیا خط، جو ہندوستانی ریلوے میں خلاصی کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے اس شرط کے ساتھ پاکستان کا انتخاب کیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو چھ ماہ کے اندر اندر واپس آسکتے ہیں۔ وہ پاکستان سے واپس آگئے ہیں اور بے روزگار ہیں۔ برائے مہربانی ان کی مدد کریں کیونکہ وہ افسر نہیں بلکہ صرف خلاصی تھے۔

نمبر30، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.87 28 اپریل 1953

ڈاکٹر کاٹجو کے نام خط: آپ جانتے ہیں کہ مہاراجہ کی ماں اور بھائی ان کے لیے مکان اور کچھ زمین حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اسے اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ انہیں پیپسو حکومت ہدایت نہ کرے۔

نمبر درج نہیں ہے

.88 28 اپریل 1953

ڈاکٹر امبیڈکر کے نام خط: میں نے اورنگ آباد کالج سے متعلق آپ کا نوٹ چیف منسٹر حیدر آباد

کو اپنے کورنگ لیٹر کے ساتھ بھیجا ہے۔ مجھے اس کا جواب مل گیا اور میں آپ کو ان کے جواب کی کاپی بھیج رہا ہوں۔
نمبر 33، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

89. 28 اپریل 1953

راما کرشنا راؤ کے نام خط: محمد عبدالحمید، سابق صدر المہام کوتوالی اور حیدرآباد کے نواب فضل نواز جنگ کو 1948 میں پولیس ایکشن کے دوران گرفتار کیا گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔ لیکن آج تک انہیں وظیفہ نہیں مل رہا ہے جس کی وجہ سے وہ مالی مشکلات کا شکار ہیں۔ ان کے دوست شری راج موہن لال کو بھی گرفتار کیا گیا تھا اور ان کو تین ماہ بعد سے وظیفہ ملنا شروع ہو گیا ہے۔ لیکن ان دونوں کو ان کا وظیفہ نہیں مل رہا ہے۔ وہ ایک ہی کشتی میں سوار تھے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان کے مقدمات کا بھی فیصلہ کریں گے۔
نمبر 35، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

90. 28 اپریل 1953

رام کرشن راؤ کے نام خط: مجھے معلوم ہوا ہے کہ 21.1.1952 کو حکومت حیدرآباد نے چھ سو روپے دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کو دئے تھے۔ لیکن اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ اپریل 1952 تک ان کو کوئی گرانٹ نہیں دی گئی۔ برائے مہربانی گرانٹ جاری کرنے کا بندوبست کریں کیونکہ دارالعلوم مالی بحران کا شکار ہے۔
نمبر 36، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.91 1 مئی 1953

راجا جی کے نام خط: مجھے خوشی ہے کہ آپ نے شہزادی فضل النساء کی مالی مدد کے لیے پرنس آف آرکاٹ کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ محمڈن لا کے مطابق ان کا اپنے والد کی جائیداد میں حصہ ہے۔ شہزادہ تبھی حمایت کرے گا جب حکومت ان پر زور ڈالے گی۔

نمبر38، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.92 21 مئی 1953

ستیہ پال کے نام خط: چار دن پہلے کانگریس ورکنگ کمیٹی نے امن کانفرنس میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور آپ شرکت کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ کانگریس نے آپ کو اسمبلی کا اسپیکر منتخب کیا ہے۔ آپ کی شرکت انتہائی قابل اعتراض ہوگی۔

نمبر43، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.93 21 مئی 1953

سورن سنگھ کے نام خط: 1950 میں ہم نے انڈین کاؤنسل آف کلچرل ریلیشنز قائم کی۔ یہ ایک غیر سرکاری ادارہ ہے۔ حکومت اس کے لیے گرانٹ دے رہی ہے۔ یہ بین الاقوامی سطح پر حکومت کے مقاصد کو فروغ دے رہا ہے۔ اس کی اپنی عمارت نہیں ہے۔ اگر اسے کچھ زمین الاٹ کر دی جائے تو اس کا کرایہ بچ جائے گا۔

نمبر44، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

.94 21 مئی 1953

سورن سنگھ کے نام خط: میں گاندھی سمادھی کا نمونہ ضرور دیکھوں گا اور اپنے مشاہدات لکھوں

گا۔
نمبر45، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

95. 23 مئی 1953

محمد علی کے نام خط: یہ اچھی بات ہے کہ آپ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان باہمی افہام و تفہیم کے لیے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہندوستان ہمیشہ امن پسند دوست رہا ہے۔ لندن میں آپ جواہر لال سے ملتے ہیں اور پھر جولائی میں آپ دہلی آرہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہمارے جو بھی مسائل ہیں انہیں حل کر لیں گے۔
نمبر46، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

96. 23 مئی 1953

غلام محمد کے نام خط: میں آپ کو ایک صورتحال کا سامنا کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے ایبٹ آباد میں آپ کی تقریر کے بارے میں پڑھ کر خوشی ہوئی۔ احمدیہ مخالف ایجی ٹیشن مذہبی جنونیت کی سطح پر پہونچ گیا ہے۔ اگر ہم اس کی طرف سے بے توجہی اختیار کریں گے تو اس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔ آپ محمد علی کو جولائی میں دہلی بھیج دیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو سلجھانے میں کامیاب ہوں گے۔
نمبر47، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

97. 23 مئی 1953

انڈیا آفس لائبریری میں موجود کچھ اہم مخطوطات اور دستاویزات کی فوٹو کاپیوں سے متعلق کھیر کو لکھا خط لکھا ہے میں اس سلسلے میں یونیسکو کو خط لکھنے جارہا ہوں۔

نمبر 48، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

98. 23 مئی 1953

رام کرشن راؤ کے نام خط: مجھے آپ کا خط مورخہ 20 مئی 1953ء کو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے حوالے سے موصول ہوا۔ میں اس یونیورسٹی کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ میں نے سکریٹری سے کہا ہے کہ وہ جون 1953 میں عثمانیہ یونیورسٹی سے متعلق درخواست مجھے پیش کریں۔

نمبر موجود نہیں ہے۔

99. 25 مئی 1953

کاٹجو کے نام خط: دہلی مسلم وقف بورڈ سے متعلق تمام کام اس لیے رکے ہوئے ہیں کیونکہ ایک شخص نے ایک رکن کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ اس کا فیصلہ جلدی نہیں ہو سکے گا۔ دہلی کے چیف کمشنر کی رائے ہے کہ یہ وقف بورڈ کے آئین کے مسئلہ کا نتیجہ ہے۔ اس میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ میں بھی اس سے متفق ہوں۔ مولوی حفیظ الرحمن اس ترمیم کو پارلیمنٹ میں لانا چاہتے تھے۔ میں اس کی کاپی آپ کو بھیج رہا ہوں۔ وقف بورڈ بالکل بے بس ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ وزارت قانون سے بھی مشورہ کر سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ پارلیمنٹ کے اگلے اجلاس میں ہم اس پر کچھ کریں۔

نمبر 51، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

100. 25 مئی 1953

کاٹجو کے نام خط: نابھا کی راج ماتا سے متعلق ان کے خط کے بارے میں کاٹجو کو لکھا ہے کہ ان کی

زمینوں سے متعلق، صرف پیپسو حکومت ہی فیصلہ کر سکتی ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں ان کو خط لکھا جائے۔

نمبر52، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

101. 26 مئی 1953

اکرام کے نام خط: آپ کے 8 مئی 1953 کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حیدر آباد کے بدلے ہوئے حالات سے بالکل بے خبر ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ ریاست نے جو منصب دیا تھا وہ وظیفہ تھا۔ ریاست نے تمام منصبوں اور وظیفوں کو ختم کر دیا ہے۔ چھبّیس لاکھ کا بجٹ تھا لیکن اب کم ہو گیا ہے۔ اس صورتحال میں میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

نمبر53، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

102. 28 مئی 1953

اجیت پرساد کے نام خط: بہار کا ایک کیس میرے سامنے آیا ہے۔ میں محمد مجتبیٰ کو جانتا ہوں، جو ڈاکٹر محمود کے پرائیویٹ سکریٹری تھے۔ بعد میں وزیر بنے تھے۔ ان کے کچھ رشتہ دار پاکستان ہجرت کر گئے ہیں لیکن کچھ ہندوستان میں ہی مقیم ہیں۔ کسٹوڈین نے پوری جائیداد پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ کسٹوڈین صرف ان لوگوں کی جائیداد لے سکتی ہے جو پاکستان ہجرت کر گئے ہیں۔ اب انہوں نے وزیر اعظم ہند کو ایک درخواست بھیجی ہے۔ میں اس کی ایک نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔

نمبر54، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

103. 28 مئی 1953

رام پور کے نواب رضا علی خان کے نام خط: میں نے رضا لائبریری کی انتظامی کمیٹی تشکیل دینے کی ہدایت دے دی ہے۔ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیااور نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کے دونوں ڈائریکٹر رضا لائبریری کے بورڈ کی میٹنگ میں شرکت کریں گے۔ آپ کو انہیں بورڈ کے ممبروں کے طور پر منتخب کرنا ہوگا۔ میں نے اس سلسلے میں اتر پردیش کی سرکار کو بھی خط لکھا ہے۔

نمبر55، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

104. 5 جون 1953

اجیت پرساد کے نام خط: مجھے معلوم ہوا ہے کہ صوبائی کانگریس کمیٹی نے اپنے اختلافات دور کرنے کی منصوبہ بندی کی ہے۔ مجھے ان کے اس اقدام سے خوشی ہوئی اور مجھے امید ہے کہ قدوائی صاحب ان مسائل کو بھی حل کریں گے۔ جولائی میں ہم پاکستان کے ساتھ وزرائے اعظم کے معاہدے سے متعلق بات چیت کرنے جا رہے ہیں جو نہرو اور لیاقت علی کے درمیان ہوا تھا۔ دونوں حکومتوں نے بنگال کی اقلیتی برادریوں کی حمایت پر اتفاق کیا تھا۔ اب اس پر بات ہوگی۔ اب فسادات کے بعد مسلمانوں کی جبری پاکستان ہجرت کا سوال ہے۔ ہم نے انہیں واپس لانے اور مختلف شہروں میں ان کے گھروں میں دوبارہ آباد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ انہیں ان کی زرعی زمینیں واپس ملیں گی۔ ورنہ پاکستان ہم پر الزام لگائے گا اور ہم اپنا دفاع نہیں کر سکیں گے۔ میں نے اور پنڈت نہرو نے ڈاکٹر رائے سے کہا کہ وہ ناڈیا جائیں اور اس کام کی نگرانی کریں۔

نمبر58، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

105. 9 نومبر 1953

میں نے مسعود علی سے اکیڈمی کے معاملے پر بات کی ہے۔انہیں مالی بحران کا سامنا ہے لیکن وہ بار بار گرانٹ نہیں چاہتے۔ اگر انہیں ساٹھ ہزار روپئے یک مشت دے دیے جائیں تو وہ نئی کتابیں شائع کر سکیں گے۔ میں نے چھ ہزار (6000) روپے کی گرانٹ منظور کی ہے۔
نمبر67، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

106. 15 نومبر 1953

مغربی پاکستان سے آنے والے مہاجرین کا تعلق مختلف زمروں سے ہے۔ ان کے معاشی حالات بھی جداگانہ ہیں۔ آپ کی تجویز درست ہے کہ معاوضہ اور بحالی گرانٹ دی جائے۔ لیکن ہمیں یہ کام بہت احتیاط کے ساتھ کرنا ہے تاکہ ضرورت مندوں کو ہی یہ گرانٹ ملے۔ آپ کا خط ری ہیبیلیشن وزیر کو بھیج دیا گیا ہے۔
نمبر68، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

107. 1953 (ماہ کا ذکر نہیں)

اندرا وایچ باکو بار کو لکھا خط: نرملا کالج کے بند ہونے کے بارے میں آپ کا خط ملا۔ حکومت ہند نے آپ کی سوسائٹی کو اجازت دی ہے۔ کیونکہ تعلیم دینا ایک اہم کام ہے۔ اب اگر آپ اسے بند کرنا چاہتے ہیں تو آپ اسے مزید ایک سال تک جاری رکھیں تاکہ طلبہ خود بخود دوسرے اداروں میں داخلہ لے سکیں۔
نمبر70، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

108. 5 جون 1954

ہندوستان میں ایران کے سفیر آقای حکمت کے نام خط: انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ان سے ملنے آئیں گے۔ اور ان کے ساتھ ایک کپ چائے پئیں گے۔

نمبر 74، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

109. 17 اگست 1954

آقای حکمت کے نام خط: ان کو یہ خبر سن کر بہت خوشی ہوئی کہ ایران نے ابن سینا کا ہزار سالہ جشن منایا ہے۔

نمبر 75، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

110. 1 نومبر 1954

راجاجی کے نام خط: بلاشبہ رفیع احمد قدوائی صاحب کی موت قوم کا بہت عظیم خسارہ ہے۔

نمبر 76، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

111. 23 نومبر 1954

کاٹجو کے نام خط: بھوپال کی ریاست شبلی اکیڈمی کو دو ہزار ایک سو ساٹھ روپئے (2160) سالانہ گرانٹ دے رہی تھی۔ لیکن ہندوستان میں اس کے انضمام کے بعد اسے روک دیا گیا ہے اور جب اس کے بارے میں انہیں لکھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اب اس کا فیصلہ مرکزی حکومت کرے گی۔ اسے جاری رکھنا چاہیے کیونکہ انضمام کے وقت اسے قبول کیا گیا تھا۔

نمبر 78، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

112. 2 دسمبر 1954

سی. سی. بسواس کے نام خط: مسلم وقف ایکٹ کے حوالے سے جو خط آپ نے وزیر اعظم کو بھیجا تھا، وزیر اعظم نے یہ خط مجھے ایک نوٹ کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ اب آپ ایکٹ کے بارے میں اعلان کریں، تاکہ ریاستی حکومتیں اس ایکٹ کے بارے میں تجاویز پیش کر سکیں۔ حیدر آباد ریاست کے چیف منسٹر نے مجھ سے ملاقات کی تھی اور کہا تھا کہ ہم ایک وقف بورڈ بنائیں گے۔

نمبر80، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

113. 8 دسمبر 1954

پندرہ ہزار روپے (15,000) کا چیک جناب گھنشیام داس برلا نے غالب کے سلسلہ میں بھیجا تھا۔ اس کو اشفاق حسین کو بھیج دیجئے۔

نمبر82، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

114. 6 جنوری 1955

ہندوستان میں ایران کے سفیر علی اصغر حکمت کے نام خط: میں ہندوستانی کلاسیکی ادب کے فارسی تراجم کے لیے ایک بورڈ بنانے کا پلان بنا رہا ہوں۔

نمبر86، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

115. 26 مارچ 1955

راج کماری کے نام خط: نئی دہلی میونسپل کارپوریشن کا ایک شخص میرے گھر کو جراثیم سے پاک کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے میرے پرائیویٹ سیکرٹری کو بتایا کہ ساتھ والا مکان پنت جی کا

ہے جہاں ایک گائے ہے جس کی وجہ سے ہی مکھیوں کی افزایش ہوتی ہے۔ گائے پالنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اسے صاف رکھنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ پنت جی کو بھی اسی مسئلے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو گا۔

نمبر 87، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

116. غیر تاریخ شدہ خط

شیخ عبداللہ کے نام خط: آپ نے مجھے پوسٹ اور ٹیلی گراف میں کلرکوں کے امتحان کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں وزیر انچارج شری جگ جیون رام کو خط لکھا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لیے آئیں گے۔

نمبر 71، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

117. غیر تاریخ شدہ خط

کارڈینل گریش کے نام خط: آپ نے مجھے ایک بیان کی کاپی بھیجی ہے۔ ہندوستان کے آئین میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ ہندوستان میں جدید تعلیم فراہم کرنے کے میدان میں غیر ملکی مشنریوں کے تعاون کو بڑی تعریف کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ نے کئی اسکول اور کالج کھولے ہیں اور ہندوستانی تعلیمی زندگی میں انقلاب برپا کیا ہے۔ اگر آپ کے ذہن میں کوئی الجھن ہے تو آپ وزیر اعظم یا مجھ سے ملنے کے لئے آسکتے ہیں۔ ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمیں آپ کا استقبال کر کے بڑی خوشی ہو گی۔

نمبر 72، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

118. غیر تاریخ شدہ خط

وزیر داخلہ کا اعتراض یہ تھا کہ ماضی میں کچھ مشنری سوسائیٹیوں نے بڑے پیمانے پر تبدیلیٔ مذہب کے سلسلے میں کام کیا تھا۔ حکومت اس سے متفق نہیں ہے۔ آزاد ہندوستان میں حکومت اس طرح سے تبدیلیٔ مذہب کی اجازت ہر گز نہیں دے گی۔ اگر کوئی بالغ شخص کسی بھی مذہب کو قبول کرنا چاہتا ہے تو اس کی آزادی ہے اور ہمارا آئین اس کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن اگر لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو کسی اقتصادی وجہ سے مذہب تبدیل کروایا جاتا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ سب اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے آزاد ہیں۔

نمبر 73، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

119. غیر تاریخ شدہ خط

رام کرشن راؤ کے نام خط: مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر کرم اللہ کا معاملہ آپ کے علم میں آیا ہے یا نہیں۔ میرے خیال میں اس کا نام IAS کی تیسری لسٹ کے بجائے پہلی لسٹ میں رکھا جانا چاہئے تھا۔ میرے خیال سے یہ اس کا حق ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کے معاملے پر ہمدردی سے غور کریں گے۔

نمبر 90، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

120. غیر تاریخ شدہ خط

مدراس کے وزیر اعلیٰ کے نام خط۔ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ انہوں نے تشدد اور انتشار سے آندھرا پردیش کو تشکیل دیا ہے۔ ہمیں اس کے خلاف سخت ایکشن لینا چاہئے۔ تاکہ انہیں پتہ چلے کہ آئندہ ایسا رویہ برداشت نہیں کیا جائے گا۔ 14 جون کو ہونے والے تشدد کے ذمہ داروں کو گرفتار کیا جانا چاہئے۔ میں اس سلسلے میں آپ کی پالیسی سے متفق ہوں۔

نمبر موجود نہیں ہے۔

121. غیر تاریخ شدہ خط

یہ مقدمہ نیشنلسٹ اخبار سے متعلق ہے اور آزادی کی جدوجہد کے دوران اس نے ہمیشہ کانگریس کا ساتھ دیا تھا۔ اگر ہم انہیں مختلف وزارتوں اور محکموں کی طرف سے اشاعت کے لیے اشتہارات دیں تو یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا تعاون ہوگا۔ یہ اردو کا قدیم ترین اخبار ہے۔ کون سا محکمہ اس کام کو دیکھتا ہے؟ ہم مسٹر کرپلانی سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

نمبر92، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

122. غیر تاریخ شدہ خط

اجیت پرساد کے نام خط: بمبئی کے غلام حسین ابراہیم ماچس والا کی بیوہ روبابائی کا معاملہ ہے۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کو کسٹوڈین آفس بمبئی کے فیصلے کے خلاف کسٹوڈین جنرل کی عدالت میں جانا چاہیے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بمبئی کا کسٹوڈین آفس ان کی جائیداد نیلام کرنا چاہتا ہے۔ میں آپ کو ان کی درخواست کی کاپی بھیج رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ بمبئی کے کسٹوڈین آفس نے ایسا رویہ کیوں اختیار کیا ہے؟

نمبر95، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

123. غیر تاریخ شدہ خط

آپ متعلقہ شخص کو بتائیں کہ میں نے اس کی درخواست بحالی وزیر کو بھیج دی ہے۔ ان سے مسٹر اجیت پرساد جین سے رابطہ کرنے کو کہیے۔

نمبر96، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

124. غیر تاریخ شدہ خط

وزیر اعلیٰ کے نام خط: حکومت ہند نے نئی یونیورسٹیاں کھولنے کے بارے میں رائے دینے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ یونیورسٹیاں فیڈریٹو ہونی چاہئیں نہ کہ وحدانی۔ سرمائے کے اخراجات کے لیے ایک کروڑ 25 لاکھ اور سالانہ اخراجات کے لیے 10 لاکھ کی رقم ہونی چاہیے۔ جب ہمارے پاس اتنی رقم ہو، تب ہی ہمیں نئی یونیورسٹیاں قائم کرنی چاہئیں۔ کمیٹی نے 10 لاکھ کی گرانٹ کا فیصلہ کیا لیکن حکومت کا موقف ہے کہ 10 لاکھ کافی نہیں ہوں گے۔ حکومت ہند کا خیال ہے کہ ریاستیں اتنی رقم کا انتظام نہیں کر پائیں گی۔ فی الحال ہمیں اس کو ملتوی کر دینا چاہئے۔ تعلیمی اداروں کو یونیورسٹیوں میں کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اجین میں فیکلٹی آف انڈولوجی کھولی جائے۔ ریاستیں اس شہر کا نام طے کریں گی جہاں یہ یونیورسٹیاں قائم کی جانی ہیں۔

نمبر 97، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

125. غیر تاریخ شدہ خط

ڈاکٹر تاراچند کے نام خط: اب ایران کے حالات بالکل بدل چکے ہیں اور مصدق کو ہٹا دیا گیا ہے۔ میں نے ایک کام کے لئے خط بھیجا ہے - فلسفہ کی تاریخ بھیج رہا ہوں۔ برائے مہربانی اس کو تہران یونیورسٹی کی لائبریری کو بھیج دیں۔

نمبر 98، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

126. غیر تاریخ شدہ خط

رام کرشن راؤ کے نام خط: مجھے امید ہے کہ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے آپ کو لیفٹیننٹ کرنل ایس امیر الدین کا کیس بھیجا تھا۔ میں اس خیال میں تھا کہ اس کا کیس حل ہو گیا ہے لیکن مجھے

معلوم ہوا ہے کہ اس کا کیس حل نہیں ہوا۔ اس کوتاہی کی ذمہ دار ریاستی حکومت کی ہے۔ ریاستی حکومت کو اس کو پوزیشن فراہم کرنی چاہیے۔
نمبر 99، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

127. غیر تاریخ شدہ خط
جواہر لال نہرو کے نام خط: ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ حسن ناگپور کے ہمیشہ شری شکلا کے خلاف شکایت کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟
نمبر 100، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

128. غیر تاریخ شدہ خط
مسٹر بسواس کے نام خط: جناب کاظمی صاحب سلیکٹ کمیٹی میں کچھ ترامیم لائے تھے۔ میں نے وہ ترامیم دیکھی ہیں اور میرے خیال میں وہ سب درست ہیں۔ آپ ان نکات پر بھی ایک نظر ڈال سکتے ہیں۔
نمبر 101، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

129. غیر تاریخ شدہ خط
جب یہ معاملہ میرے علم میں لایا گیا تو میں نے سوچا کہ یہ معاملہ وزارت خارجہ سے متعلق ہے۔ لیکن جب میں نے وزیر اعظم کا نوٹ پڑھا تو مجھے احساس ہوا کہ میں صحیح نہیں تھا۔ ہم مسٹر رام چندر کو غیر ضروری طور پر کیوں بھیجیں۔ وزارت تعلیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔
نمبر 102، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

130. غیر تاریخ شدہ خط

ڈاکٹر رادھا کرشن کے نام خط: مجھے امید ہے کہ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے آپ کو دعوت دی تھی کہ آپ آئیں اور میری طرف سے بلائی گئی وائس چانسلرز کانفرنس میں شرکت کریں لیکن آپ نے مجھے بتایا کہ اب آپ ہندوستان کے نائب صدر ہیں، اس لیے اب آپ کا ایسی کانفرنسوں میں شرکت کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

نمبر103، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

131. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: سردار جیون سنگھ نے اپنے مشن کے لیے مالی تعاون کی درخواست کی ہے۔ اگر آپ کسی فنڈ سے اس کی مدد کر دیں تو بہتر ہوگا۔

نمبر104، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی۔

132. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: میں وہ کاغذ واپس بھیج رہا ہوں جو آپ نے مجھے کل بھیجا تھا۔ مہروان اسکول آف آرٹس، تہران میں پڑھاتی ہیں۔ ہم ان کی ذاتی درخواست پر غور نہ کریں۔ ہمیں ان معاملات کا فیصلہ حکومتی سطح پر کرنا چاہیے۔

نمبر105، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

133. غیر تاریخ شدہ خط

پرفل سین کے نام خط: پریس میں آپ میرا بیان دیکھ کر حیران رہ گئے۔ لیکن مجھے خود آپ کے بیان سے حیرت ہوئی۔ مجھے اور پنڈت نہرو کو اس سلسلے میں کچھ کرنے کے لیے خطوط اور ٹیلی

گرام موصول ہوئے۔ چنانچہ میں نے ایک بیان جاری کیا ہے۔ مرکزی پارلیمانی بورڈ ریاستی حکومتوں کو مشورہ دیتا ہے۔

نمبر108، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

134. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: جب مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر اشرف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں نوکری چاہتے ہیں تو میں نے لکھا کہ ان کا وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا۔ براہ کرم آپ ان کے لیے کوشش نہ کریں۔

نمبر112، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

135. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: ڈاکٹر اشرف نے آپ کے دفتر میں ایک درخواست جمع کرائی ہے اور اس کی ایک کاپی میرے دفتر بھی بھیج دی ہے۔ ان کا کسی جائیداد سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ انہیں مستقل طور پر ہندوستان میں رہنے کی اجازت دے دی جائے اور ہم اسے اجازت دیں۔ ہم انہیں اجازت دے سکتے ہیں۔ اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

نمبر113، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

136. غیر تاریخ شدہ خط

اے. کے. گوپالن کے نام خط: آپ نے تعلیم کے بارے میں لکھا ہے۔ تعلیم بنیادی طور پر ریاست کا مسئلہ ہے۔ اس لیے مرکزی حکومت اس میں کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ مرکزی حکومت صرف ان کی توجہ مبذول کرا سکتی ہے۔ آپ کی شکایت میں کچھ سنگین معاملات ہیں۔

وہ ان کو حل کریں۔ میں بھی ان کو اس سلسلے میں لکھوں گا۔
نمبر 114، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

137. غیر تاریخ شدہ خط

سری کرشن کے نام خط: میں نے آپ کو اور انوگرہ بابو کو چھپرہ کے مولوی علی کے بیٹے زین العابدین کی نوکری کے لیے لکھا تھا۔ وہ ملازم تھا لیکن آج کل وہ پھر بے روزگار ہو گئے ہیں۔ انہوں نے محکمہ ٹرانسپورٹ میں کچھ اسامی کے لیے درخواست بھیجی تھی جس کا تعلق وزیر ٹرانسپورٹ جناب مہیش پرساد سے ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی سفارش سے انہیں نوکری مل جائے گی۔

138. غیر تاریخ شدہ خط

راج کماری کے نام خط: آپ نے شری نندن رشی کو نئی دہلی کانگریس کمیٹی کا صدر نامزد کیا تھا۔ اب ان کی تین سال کی مدت ختم ہو گئی ہے۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ انہوں نے اچھا کام کیا ہے تو انہیں دوسری مدت کے لیے یہ ذمہ داری دے دی جانی چاہئے۔
نمبر 116، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

139. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: مدراس ہینڈلوم ویورز ایسوسی ایشن نے آپ کو ایک درخواست بھیجی تھی اور انہوں نے ایک کاپی مجھے بھی بھیجی تھی۔ یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے اور ہم کو اس کا سنجیدہ حل تلاش کرنا چاہئے۔ میں آپ سے اس معاملے پر بات کروں گا۔
نمبر 117، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

140. غیر تاریخ شدہ خط

ڈاکٹر کاٹجو کے نام خط: مجھے معلوم ہوا ہے کہ سید سلیمان احمد نے آئی اے ایس کا امتحان پاس کیا تھا۔ لسٹ میں ان کا نام 32 ویں نمبر پر تھا۔ 30 افراد کی ضرورت تھی۔ میرٹ لسٹ میں ان سے نیچے والوں کو جگہ دی گئی لیکن ان کو جگہ نہیں دی گئی۔ میرے خیال میں ہمیں کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنی چاہئے۔

نمبر 118، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

141. غیر تاریخ شدہ خط

شیخ عبداللہ کے نام خط: جناب کرنل بشیر حسین زیدی نے مجھے مسٹر خورشید عالم کے سلسلے میں ایک نوٹ بھیجا ہے۔ میں آپ کو وہ نوٹ بھیج رہا ہوں۔ انہیں روڈ ٹرانسپورٹ آرگنائزیشن میں کچھ تجربہ ہے۔ آپ انہیں کشمیر گورنمنٹ میں نوکری دیں تو اچھا ہوگا۔

نمبر 120، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

142. غیر تاریخ شدہ خط

نواب سید رضا علی خان نواب رام پور کے نام خط: میں نے مدرسہ عالیہ، رام پور سے متعلق بات کی تھی۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ موجودہ پرنسپل کو ہٹا کر اس عہدے پر کسی نامور عالم کو مقرر کریں یہ آپ خود کریں۔ رامپور کے لوگوں پر اس کا اچھا اثر پڑے گا۔ رام پور کے لوگ ابھی بھی آپ کو "سرکار" سمجھتے ہیں۔

نمبر 121، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

143. غیر تاریخ شدہ خط

وزیر اعظم کے نام خط۔ یہ خط کانسٹیبلوں اور فوجیوں کی آباد کاری سے متعلق وزیر اعظم کو لکھا تھا۔ ان کو کچھ زمین دی جائے تاکہ وہ وہاں کھیتی باڑی کر سکیں۔ وزارت خزانہ میں بھی یہ معاملہ زیر غور ہے۔

نمبر122، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

144. غیر تاریخ شدہ خط

جگجیون رام کے نام خط: میں نے آپ کو جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ کا خط بھیجا ہے۔ کلرک کے لیے 43 کشمیریوں نے درخواست دی تھی اور صرف ایک لیا گیا۔ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔اس کا اثر کشمیریوں کے حالات پر پڑے گا۔

نمبر123، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

145. غیر تاریخ شدہ خط

ہر گوبند سنگھ کے نام خط: منسٹری نے کاشی ودیاپیٹھ سے کچھ استفسار کیا ہے۔ جب گرانٹ کے لیے درخواست آئے گی تو قواعد کے مطابق اس کی جانچ کی جائے گی۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس خط پر کسی کے دستخط نہیں ہیں۔ مسٹر گنگولی کو اس پر دستخط کرنا چاہئے تھے۔

نمبر125، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

146. غیر تاریخ شدہ خط

راج کماری کے نام خط: ہمدرد دواخانہ نے ایک ٹرسٹ قائم کیا ہے اور وہ انسٹی ٹیوٹ آف

ایسٹرن میڈیسن قائم کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے آپ سے اس انسٹی ٹیوٹ کے لیے کچھ زمین الاٹ کرنے کی درخواست کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس میں دلچسپی لیں گی۔
نمبر126، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

147. غیر تاریخ شدہ خط
بھیم سین سچر کے نام خط: میں نے آپ کی توجہ پنجاب کی مساجد کی طرف مبذول کرائی تھی۔ جن پر ابھی تک دوسرے لوگوں کا قبضہ ہے۔ بیرون ممالک میں لوگ اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ ایک سال گزر گیا اور کچھ نہیں ہوا۔ ہم پاکستانیوں کے ساتھ میٹینگ کرنے جارہے ہیں اور یقیناً یہ معاملہ اس میٹنگ میں اٹھایا جائے گا۔ امبالہ شہر میں مساجد کی حالت نازک ہے۔
نمبر127، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

148. غیر تاریخ شدہ خط
سورن سنگھ کے نام خط: ایئر کنڈیشنر کی قیمت پانچ ہزار پانچ سو روپے۔ اور آپ اس کا کرایہ دو سو دس روپے ماہوار لیں گے۔ اس سلسلے میں کیا قانون ہے؟

149. غیر تاریخ شدہ خط
جواہر لال نہرو کے نام خط: پارلیامنٹ میں غیر ملکی عیسائی مشنریوں کے حوالے سے ایک سوال اٹھایا گیا ہے۔ کاٹجو نے جواب دیا کہ وہ اسی مقصد کے لئے آتے ہیں۔ انہیں روکا جائے۔ سبھی لوگ دوسرے ممالک میں بھی اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے آزاد ہیں۔ لیکن ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کا رویہ انتہائی قابل اعتراض ہے۔

نمبر130، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

150. غیر تاریخ شدہ خط

کلکتہ کے وزیر کے نام خط۔ پولیس کا رویہ انتہائی افسوسناک ہے۔ اس سے حکومت کے مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ انہوں نے لوگوں اور صحافیوں کو پیٹا ہے۔ اس معاملہ پر ایک انکوائری کرائیے اور جو پولیس آفیسر س اس کے ذمہ دار ہوں ان کو سزا ملنی چاہیے۔

نمبر133، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

151. غیر تاریخ شدہ خط

سورن سنگھ کے نام خط: میں نے آپ کو بتایا تھا کہ انڈین کاؤنسل آف کلچرل ریلیشنز کی عمارت کے لیے ہمیں 2 ایکڑ زمین کا پلاٹ درکار ہے۔ ہارڈنگ بلڈنگ کے قریب ایک پلاٹ ہے۔ میرے خیال میں یہ اس کے لیے کافی ہوگا۔

نمبر134، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

152. غیر تاریخ شدہ خط

سچر کے نام خط: ہم نے بھارگوا کالج، شملہ کے بارے میں بات کی تھی۔ اس کالج کو ایک سال کی گرانٹ دے دی گئی تھی اور اگلے سال گرانٹ دینے کی ضرورت نہیں۔ سناتن دھرم کالج کی موجودگی کی وجہ سے اب اس کالج کی ضرورت نہیں ہے۔

نمبر135، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

153. غیر تاریخ شدہ خط

ہزہائی نیس راج پرمکھ، راجستھان، جے پور کے نام خط: جو رپورٹ آپ نے صدر جمہوریہ ہند کو

بھیجی ہے، جس کی کاپی میرے پاس بھی آئی ہے کہ راجستھان میں قحط کے لیے ایک ریلیف کمیٹی بنائی گئی ہے تاکہ لوگوں کی مدد کے لیے پرائیویٹ چندہ وغیرہ اکٹھا کیا جا سکے۔ میں نے دیکھا تھا کہ انگریزوں کے دور میں وائسرائے اور گورنروں کی ہدایت پر لوگ لاکھوں روپے چندہ دیا کرتے تھے۔اب یہ ان ہی کی حکومت ہے جو اپیل کر رہی ہے۔ لیکن اس اپیل کا کوئی اثر دیکھنے کو نہیں مل رہا ہے۔

نمبر درج نہیں ہے

154. غیر تاریخ شدہ خط

شری جے نارائن، چیف منسٹر راجستھان کے نام خط: مجھے راج پرمکھ کی پندرہ روزہ رپورٹ دیکھ کر خوشی ہوئی، جو انہوں نے صدر جمہوریہ ہند کو بھیجی تھی کہ ایک "ریلیف کمیٹی" تشکیل دی جا رہی ہے۔ میری رائے میں، کمیٹی کی صدارت راج پرمکھ کو کرنی چاہیے۔انہیں اس میں گہری دلچسپی لینا چاہیے۔ انہیں کلکتہ، بمبئی، کانپور، پٹنہ وغیرہ جانا چاہئے اور وہاں کے لوگوں سے راجستھان کے لوگوں کی مدد کی اپیل کرنی چاہئے۔

نمبر 139، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

155. غیر تاریخ شدہ خط

شری راجیشور کے نام خط: نیپال کے بادشاہ نے گوکھلے کو لکھا کہ چندے کی اپیل کو نیپال کے راجہ نے نہیں سراہا کیونکہ وہ اس کی اپیل پر شرمندہ تھا۔ نیپال کے حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم وہاں کیا ہوگا۔

نمبر 140، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

156. غیر تاریخ شدہ خط

آصف علی کے نام خط: بھابھا کو ہکلے کے حوالے سے آصف علی کو خط لکھا ہے جو اٹامک انرجی کے ڈائریکٹر ہیں۔ ہم بھابھا یا موڈالیار کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ ہماری پالیسی ہے کہ ہم کسی ہندوستانی کا نام تجویز نہیں کرتے۔

نمبر 141، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

157. غیر تاریخ شدہ خط

سیکرٹری وزارت خارجہ کے نام خط: تمام ریاستوں کے ممبران کمیشن کے ممبر ہیں۔ حکومت ہند کا خیال ہے کہ ان تمام چیزوں کا فیصلہ باہمی مشاورت سے کیا جانا چاہیے۔ کمیشن مکمل طور پر غیر جانبدار ہے۔

نمبر 143، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

158. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: رتن نے نیپال کے بارے میں تمام معلومات فراہم کیں۔ اگر کوئرالا وزارت بنائیں گے تو وہ حالات کو کنٹرول نہیں کر سکیں گے لیکن وہ اس پوزیشن میں ہوں گے کہ وہ ہماری مدد کی درخواست کر سکتے ہیں۔ میں نے شیخ عبداللہ سے بات کی اور انہوں نے اتفاق کیا کہ وہ کوئی بیان نہیں دیں گے۔ اب میں نیشنل کانفرنس کے اراکین سے ملوں گا، آپ نے محمد علی سے ان مسائل پر بات کی ہے۔ اب آپ کا کیا تاثر ہے؟

نمبر 144، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

159. غیر تاریخ شدہ خط

وزیر اعلیٰ کلکتہ کے نام خط: شرپتن زینگ(Sharpatan Zeng) کا خیال تھا کہ اسے دارجلنگ جانا چاہیے۔ لیکن اب وہ لندن جارہے ہیں۔ دارجیلنگ میں ان کے دوستوں کو اس پروگرام کی تبدیلی کے بارے میں مطلع کردیں۔

نمبر145، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

160. غیر تاریخ شدہ خط

مہاراجہ کے نام خط: ارون گھوش نے مجھے بتایا کہ یہ کلکشن زیادہ تر مغربی آرٹ سے متعلق ہے اور ہم ہندوستانی آرٹ کو فروغ دیتے ہیں۔ ہم اس کو نہیں خرید سکیں گے۔

نمبر146، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

161. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: مہاراجہ کا تعلق ٹیگور کے خاندان سے ہے۔ وہ اسے چار لاکھ روپے میں بیچنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ سب مغربی آرٹ سے متعلق ہے۔ ہم اس کو خرید نہیں سکیں گے۔ اس سلسلے میں اپنی رائے مجھے لکھ دیں۔

162. غیر تاریخ شدہ خط

اعزازی سکریٹری، دیال سنگھ کالج ٹرسٹ سوسائٹی، کرنال کے نام خط: آپ نے اردو زبان میں درخواست بھیجی تھی۔ وزارت انگریزی میں کام کرتی ہے۔ برائے مہربانی درخواست انگریزی زبان میں بھیجیں۔

نمبر149، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

163. غیر تاریخ شدہ خط

شیخ عبداللہ کے نام خط: محکمہ ڈاک اور ٹیلی گراف سے متعلق آپ کی شکایت، میں نے مسٹر جگجیون رام کو بھیج دی ہے۔اس کا پمفلٹ اردو اخبار ''کدمت'' میں شائع ہوا ہے۔

نمبر150، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

164. غیر تاریخ شدہ خط

رام پور کے نواب رضا علی خان کے نام خط: میں نے رضا لائبریری سے متعلق وزیر اعلیٰ سے اسٹاف کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے فنڈ کی عدم دستیابی کے سلسلے میں بات کی ہے۔ ہم لائبریری کو تیس ہزار روپے سالانہ دیں گے۔ وہ دربار ہال میں لائبریری کی منتقلی کے لیے تیار ہیں۔ کسی سے کہئے کہ وہ مجھے تخمینہ خرچ بھیج دے۔ ہم دربار ہال کی مرمت بھی کرائیں گے۔ میں یہ کام جلدی کروں گا۔

نمبر152، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

165. غیر تاریخ شدہ خط

تیاگی کے نام خط: مجھے شانتا کروز میں رہنے والے مسلمانوں کی درخواست موصول ہوئی ہے کہ ملٹری کیمپ میں ایک مسجد ہے۔ پہلے مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔ لیکن حال ہی میں فوجی حکام نے مسلمانوں کے کینٹ میں داخلے پر پابندی لگا دی ہے۔ علاقے میں کوئی اور مسجد نہیں ہے۔ میرے خیال میں وزارت دفاع اس پر فیصلہ کر سکتی ہے۔ براہ کرم اس معاملے کی انکوائری کریں۔

نمبر153، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

166. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: کابینہ کے اجلاس میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے مسودہ بل پر غور کیا گیا۔ آپ نے مجھے کہا تھا کہ اسے پارلیمنٹ میں لے جانے سے پہلے یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز کو بھیج دیا جائے۔ میں نے اس معاملے پر وائس چانسلرز کی میٹنگ میں پہلے ہی بات کر لی تھی۔ یونیورسٹیوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔ تعلیم کی ذمہ داری مرکزی حکومت کی ہے۔ یہ کام تبھی ہو سکتا ہے جب یونیورسٹیوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک آزاد ادارہ تشکیل دے دیا جائے۔ یونیورسٹیوں کے حالات خراب کرنے کے ذمہ دار کچھ وائس چانسلرز بھی ہیں۔ ہمیں یونیورسٹیوں کی بہتری کے لیے کام کرنا ہوگا۔

نمبر 154، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

167. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: ڈاکٹر اشرف سات ماہ پہلے ہندوستان واپس آگئے ہیں۔ اب انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ سیاست میں دلچسپی نہیں لیں گے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں کسی بھی یونیورسٹی میں نوکری مل جائے۔ انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کئی بار اپلائی کیا لیکن سلیکٹ نہیں ہوئے۔ انہوں نے اجمل خان کو لکھا کہ انہیں ہندوستان میں رہنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اس کے بغیر وہ ہندوستان میں ملازمت حاصل نہیں کر سکیں گے۔ آج کل طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ سری نگر چلے گئے ہیں۔

نمبر 155، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

168. غیر تاریخ شدہ خط

دیشکھ کے نام خط: ہم نرملا کالج کو گرانٹ دے رہے تھے۔ اس کا انتظام جیسویٹ ایجوکیشنل

سوسائٹی کرتی آرہی ہے۔اب انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اس کا انتظام نہیں کریں گے۔ لیکن میں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اسے ایک سال تک جاری رکھیں۔ لیکن وہ نہیں مانے۔اب دہلی یونیورسٹی نے اسے دو سال تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اس فیصلے سے متفق نہیں ہیں۔آپ کالج بند کرانا چاہتے ہیں۔جب یونیورسٹی نے اسے جاری رکھنے کی درخواست کی ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ میرے خیال میں یہ معاملہ کابینہ کے اجلاس میں نہیں جانا چاہیے۔

نمبر157، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

169. غیر تاریخ شدہ خط

بھیم سین سچر کے نام خط: پنجاب حکومت نے اسمبلی کا اجلاس چندی گڑھ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن وہاں کوئی اسمبلی ہال نہیں ہے۔اسمبلی کا اجلاس کہاں ہو گا؟ میرے خیال میں اسے شملہ میں ہی رکھنا چاہیے۔ براہ کرم اس معاملے کی تحقیقات کریں اور اس کے مطابق مجھے مطلع کریں۔

نمبر158، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

170. غیر تاریخ شدہ خط

شیخ عبداللہ کے نام خط: آپ 3 جولائی کو دہلی آجائیں۔ آپ نے مجھے اور پنڈت جی کو سری نگر آنے کی دعوت دی ہے۔اس کے لئے میں آپ کا مشکور ہوں۔ ہمارے مصروف شیڈول کی وجہ سے ہم سری نگر نہیں آسکیں گے۔

نمبر159، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

171. غیر تاریخ شدہ خط

حیدر آباد، دکن کے چیف منسٹر کے نام خط: ہمیں حیدر آباد سے شکایت موصول ہوئی ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے حکام مذہب اور ثقافت کی فیکلٹی میں داخلہ نہیں دے رہے ہیں۔

نمبر161، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

172. غیر تاریخ شدہ خط

جگ جیون رام کے نام خط: ہم کو کشمیریوں میں مقبولیت پیدا کرنی چاہیے۔ لیکن ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو کشمیر میں ہمارے مفاد کے خلاف ہوتی رہی ہیں۔ محکمہ ڈاک اور ٹیلی گراف مرکزی حکومت کے زیرِانتظام ہے۔اس محکمے میں کشمیری مسلمانوں کی کوئی نمائندگی نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حال ہی میں کلرکوں کا ایک ٹیسٹ لیا گیا تھا۔ 60 غیر مسلم لیے گئے اور صرف 3 مسلمان لیے گئے۔ شیخ عبداللہ کا کہنا ہے کہ کشمیری پڑھے لکھے مسلمان بے روزگار ہیں۔ وہ اس طرح سے اس کے اعلان کی اشاعت کرتے ہیں کہ کشمیری طلبہ کو پتہ ہی نہ چل سکے۔ یہ محکمہ حکومت ہند کو منتقل کر دیا گیا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ کشمیری اس پر کیسے یقین کر سکتے ہیں؟ میں نے شیخ عبداللہ سے کہا کہ مجھے اس معاملے کی تحقیقات کرنے دیجئے پھر میں آپ کو مطلع کروں گا۔اس معاملے میں مجھے لکھئے تاکہ میں شیخ عبداللہ کو جواب دے سکوں۔

نمبر162، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

173. غیر تاریخ شدہ خط

ڈاکٹر راجندر پرساد کے نام خط: آپ کو ماؤنٹ ایورسٹ کے بارے میں کچھ معلومات درکار ہیں۔ 1950 میں جناب ڈاکٹر گلاٹی، ڈائریکٹر، جیوڈاٹا اینڈ ٹریننگ سرکل، سروے آف انڈیا نے ایک رپورٹ شائع کی تھی، اس لیے میں آپ کی معلومات کے لئے میں وہ رپورٹ آپ

کو بھیج رہا ہوں۔
نمبر163، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

174. غیر تاریخ شدہ خط
کول کے نام خط: اگر مسٹر بلونت رائے مہتا کو آپ کے خلاف کچھ معلوم ہوا تو انہیں آپ کے ساتھ اس کی وضاحت کرنی چاہیے تھی۔ انہوں نے آپ کے خلاف خط کیوں لکھا؟ مسٹر مہتا دہلی میں نہیں ہیں۔ جب وہ آئیں گے تو میں ان کو اس معاملہ میں خبر دار کروں گا۔
نمبر165، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

175. غیر تاریخ شدہ خط
بھونسلے کے نام خط: مجھے پنجاب کے ایک مسلمان کی درخواست موصول ہوئی ہے۔ 1947 میں فسادات کی وجہ سے وہ بھاگ کر مالیر کوٹلہ چلے گئے تھے لیکن پاکستان نہیں گئے تھے۔ اب وہ اپنے گھر اور کھیتی باڑی کی زمین کے لیے کوشش کر رہے ہیں لیکن دفتر میں کوئی ان کی بات نہیں سن رہا ہے۔ براہ کرم آپ اس کی مدد کریں۔
نمبر166، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

176. غیر تاریخ شدہ خط
ڈاکٹر ساہا کے نام خط: انسٹی ٹیوٹ آف نیوکلیئر فزکس سے متعلق آپ کا خط ملا۔ واقعی یہ کام دو سال سے یہ زیر التواء ہے۔ جب آپ پارلیمنٹ کے اجلاس کے دوران دہلی میں تھے تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا تو میں ڈاکٹر بھابھا اور بھٹنا گر سے بات کرتا۔
نمبر167، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

177. غیر تاریخ شدہ خط

کرن سنگھ کے نام خط: میں نے شیخ عبداللہ سے کہا کہ اگر سردار حکم سنگھ ڈاکٹر مکھرجی سے ملنا چاہتے ہیں تو آپ اس ملاقات کا بندوبست کریں۔ لیکن انہیں اس معاملہ کی اطلاع حکومت ہند کو دینی چاہیے تھی۔ میٹنگ میں کسی سرکاری اہل کار کی موجودگی کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ کشمیر کی حکومت ان لوگوں کو نہیں جانتی، اس لیے وہ مرکزی حکومت کو خط لکھتے ہیں۔

نمبر168، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

178. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: میرے لیے یہ واقعی بڑی حیرت کی بات ہے کہ ملک یونیسکو کی ڈائریکٹر شپ کے لیے امیدوار بننا چاہتے ہیں۔ ہم پہلے ہی اعلان کر چکے ہیں کہ ہم اس عہدے کے لیے کوئی امیدوار نہیں کھڑا کریں گے۔ میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ ہمیں کسی امیدوار کو نامزد نہیں کرنا چاہیے۔

نمبر170، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

179. غیر تاریخ شدہ خط

یہ وزارت ترقیات (ڈیولپمنٹ) کا غلط رویہ ہے کہ کابینہ کمیٹی کی منظوری کے بغیر انہوں نے تربیت کے لیے ایک گروپ کو بھیج دیا اور تربیت مکمل ہونے پر وہ کابینہ کی منظوری مانگ رہے ہیں۔ یہ طریقہ کار کی خلاف ورزی ہے۔ یہ نوٹ آپ وزارت ڈیولپمنٹ اور کابینہ کے وزراء کو بھیج دیں۔

نمبر171، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

180. غیر تاریخ شدہ خط

وزیر اعلیٰ مدراس کے نام خط: مجھے بلاری سے کئی ٹیلی گرام موصول ہوئے ہیں کہ آندھرا میں ہجوم نے دکانوں، اسکولوں اور ہوٹلوں میں توڑ پھوڑ کی اور نقصان پہنچایا ہے۔ اگر یہ حقائق درست ہیں تو مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور اس کے خلاف کارروائی کر رہے ہوں گے۔

نمبر 173، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

181. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: جنوبی کوریا کی حکومت نے اقوام متحدہ کے خلاف کھل کر بغاوت کر دی۔ ہمیں اس کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ ہمیں دنیا کے امن کو اپنے ذہن میں رکھنا ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں امریکا اور انگلینڈ سے مطالبہ کرنا چاہیے۔

نمبر 176، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

182. غیر تاریخ شدہ خط

شری نیلم سنجیوا ریڈی کے نام خط: بلاری میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ واقعی خوفناک ہے۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کی مذمت کریں گے۔ حکومت پہلے ہی ایک کمیشن بنا چکی ہے اور حکومت نے اس کی سفارشات قبول کر لی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کے خلاف ایکشن لیں گے۔

نمبر 179، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

183. غیر تاریخ شدہ خط

وزارتِ کامرس وانڈسٹری کا یہ کہنا درست ہے کہ وفد کے لیے افراد کے انتخاب کے عمل میں

انہیں اپنی رائے دینی چاہیے۔ وزیر اعظم کی غیر موجودگی میں ہمیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے اور کابینہ کمیٹی کا اجلاس بلانا چاہئے۔

نمبر180، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

184. غیر تاریخ شدہ خط

ضلع مجسٹریٹ، بلند شہر کو ایک خط لکھیں کہ پچھلے سال حسن برنی، ایڈوکیٹ، بلند شہر، کو انڈین کاؤنسل آف کلچرل ریلیشنز کا سکریٹری مقرر کیا گیا تھا۔ ان کے گھر کا تمام سامان چوری ہو گیا اور آج تک کچھ نہیں ہوا۔ آپ ضلع مجسٹریٹ بلند شہر کو خط بھیجیں اور اس کی ایک کاپی مجھے بھی بھیج دیں۔

نمبر188، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

185. غیر تاریخ شدہ خط

خواجہ غلام السیدین کے اہل خانہ سے متعلق خط۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے اہلِ خانہ کا کوئی بھی فرد پاکستان نہیں گیا تھا۔ خواجہ احمد عباس، مسز عابد حسین، مسز اظہر عباس اور مسز مستحسن زیدی، مستقل یہیں پر مقیم ہیں۔ وہ دہلی اور بمبئی میں رہتے ہیں۔ ان کی جو جائیداد پانی پت میں ان کے پاس تھیں وہ انہیں دے دی جانی چاہئے۔

نمبر191، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

186. غیر تاریخ شدہ خط

مجھے یہ جان کر بڑا افسوس ہوا کہ ڈاکٹر شیاما پرساد مکھرجی کا سری نگر میں انتقال ہو گیا ہے۔ 1935 سے ان کے ساتھ میرے گہرے مراسم تھے۔ نظریاتی طور پر ہمارے درمیان

اختلاف تھا لیکن دوسری طرف ہم دوست تھے۔

187. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال کے نام خط: ہم نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کی پچھلی میٹنگ میں فیصلہ کیا تھا کہ لائف انشورینس اسکیم کا فائدہ گاؤں کی سطح تک پہونچانا چاہئے۔ پانچ ہزار روپیہ تک کی رقم کو نیشنلائز کرنا چاہئے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کی اگلی میٹنگ میں اس پر بحث ہونی چاہیے۔

نمبر 143

188. غیر تاریخ شدہ خط

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے اجلاس میں اقتصادی ترقی کا فیصلہ کیا ہے کہ ہمیں دیہی علاقوں کی انشورنس کے لیے موثر قدم اٹھانا چاہیے۔ بیمہ کو روپے کی پالیسی کی حد تک قومیایا جانا چاہیے۔ جس کی حد/5000 روپے ہونی چاہئے۔ ریاستی حکومتوں کو اس رقم کی وصولی ریونیو کے ساتھ کرنی چاہیے۔ اور اس کو تمام کسانوں کے لیے لازمی قرار دیا جانا چاہئے۔

نمبر 194

189. غیر تاریخ شدہ خط

آج دنیا سوشلزم اور کیپٹلزم (اشتراکیت اور سرمایہ داری) کے دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ سرمایہ داروں کا خیال ہے کہ پرائیویٹ انٹرپرائز سسٹم سے تھوڑا سا بھی انحراف نہیں ہونا چاہیے۔ سوشلسٹ پرائیویٹ انٹرپرائز کو برداشت نہیں کر پارہے ہیں۔ آزادی کے بعد ہمیں اس سوال کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم نے صنعتوں کو دو یونٹوں میں تقسیم کیا۔ ایک شعبہ جو پرانے طرز پر ہے اور دوسرا شعبہ نئی صنعتوں کا ہے۔ ہمیں اس بات کا

جائزہ لیناچاہیے کہ ہم کب تک اسے قومیا سکتے ہیں اور یہ کہاں تک عملی ہوگا۔ میں سرمایہ داری اور سوشلزم کی اصطلاحات استعمال کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں قدامت پسندی اور ترقی پسندی کی اصطلاح استعمال کرتا ہوں۔ ہمیں ترقی پسند لائن پر چلنا چاہیے۔ ہم نے اسے پانچ سالہ منصوبہ بندی میں اپنے سامنے رکھا ہے۔ میں شری جگ جیون رام اوران کی وزارت میں ان کے ساتھیوں کو مبارکباد دیتاہوں جنہوں نے اسے تیار کیا۔

نمبر 195

190. غیر تاریخ شدہ خط

ترکی کے سفیر کو ''ہدیۃالعارفین'' نامی کتاب بھیجنے پر شکریہ نامہ بھیج دیا۔ انہوں نے یہ کتاب ICCR (انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز) کی لائبریری کے لئے بھیجی ہے۔ جہاں اس نے اپنی پوری لائبریری عطیہ کر دی ہے۔

نمبر نہیں ہے۔

191. غیر تاریخ شدہ خط

شری رام دیال وید کے نام مکتوب: سکریٹری، پنجاب صوبائی کانگریس کمیٹی، جالندھر کو لکھئے کہ میرے علم میں آیاہے کہ آپ نے یہ بیان دیاہے کہ کچھ ممبران پنجاب کی وزارت کے خلاف کام کر رہے ہیں اور ایک وزیر بھی اس کا حصہ ہیں۔ آپ کو یہ بات وزیر اعلیٰ یا مرکزی پارلیمانی بورڈ کے نوٹس میں لانا چاہیے تھا۔ لیکن آپ کو عوامی سطح پر ایسے بیانات جاری کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ پارٹی ڈسپلن کے خلاف ہے۔ آپ ہند سماچار میں اپنے بیان کی تصحیح کیجئے۔

نمبر 198

192. غیر تاریخ شدہ خط

شری رام شرما کے نام خط: آپ نے ہند سماچار کی کلپنگ بھیجی تھی۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ کسی وزیر کے خلاف بیان نہیں دینا چاہیے۔ وزیر اعلیٰ موجود ہیں۔ میں ان کے خلاف کارروائی کرنے جارہاہوں۔

نمبر 199

193. غیر تاریخ شدہ فوری خط

مسٹر بسواس کے نام خط: میں آپ سے کچھ مسائل پر بات کرنا چاہتا ہوں لیکن کچھ ممبران آگئے اور کچھ اور بات کرنے لگے۔ میں نے کہا تھا کہ ایوان میں قرارداد دے کر آپ کو کوئی نہیں روک سکتا۔ میں نے اس سلسلے میں ڈاکٹر بھارگو اور ڈپٹی اسپیکر سے بات کی ہے۔ یہ کچھ ہی وقت میں ختم ہو جائے گا۔ ڈپٹی اسپیکر کے معاملے کے طے ہونے کا اعلان کریں گے۔ لیکن بد قسمتی سے آپ نے میری ہدایت پر عمل نہیں کیا۔

نمبر 200

194. غیر تاریخ شدہ خط

یہ کتاب فلسفہ کی نئی تاریخ کے حوالے سے ہے۔ مولانا آزاد نے اس کا تعارف لکھا۔ انہوں نے ڈاکٹر رادھا کرشنن کی صدارت میں ایک بورڈ بھی تشکیل دیا۔ انہوں نے 1951 میں ایک کتاب تیار کی۔

نمبر 201

195. غیر تاریخ شدہ خط

جواہر لال نہرو کے نام خط: میں نے پیٹ ڈرامہ کے حوالے سے آپ کا نوٹ دیکھا ہے۔ ہم ثقافتی سرگرمیوں سے متعلق اپنے فنڈ سے اس سوسائٹی کی مدد کر سکتے ہیں۔ابتدا میں میں انہیں 5000 روپے دینا چاہتا ہوں۔ میں اس بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔

نمبر 202

196. غیر تاریخ شدہ خط

وزیر اعلیٰ حیدر آباد کے نام خط: ایک انگریزی جریدہ—اسلامک کلچر—شائع ہوتا ہے اور اسے پوری دنیا میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ جب میں لندن میں تھا پروفیسر گب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا اسلامی ثقافت باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے؟ اس کا سالانہ بجٹ 12000 روپے تھا۔ لیکن آپ کی حکومت نے اسے کم کر کے 10,000 روپے کر دیا ہے۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ بجٹ مزید کم کر کے 3000 روپے کر دیا گیا ہے۔ جس کا بالواسطہ مطلب ہے کہ اس جریدے کو روک دیا جائے۔ اس عمل سے، آپ ایک اہم جریدے سے محروم ہونے جا رہے ہیں۔ براہ کرم مجھے اس مسئلہ پر اپنی رائے لکھ کر بھیجیں۔

نمبر 203

197. غیر تاریخ شدہ خط

شری سہگل، عبدالغنی ڈار، شریمتی شنّو دیوی اور سردار بوٹا سنگھ، اراکین پنجاب اسمبلی، شملہ کے نام خط: کانگریس کا ممبر ہونے کی وجہ سے آپ نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے۔ وہ دہلی جائیں اور ان سے بات کریں۔

نمبر 204

198. غیر تاریخ شدہ خط

مسٹر تیاگی کے نام خط۔

ثقافتی سرگرمیوں کے لیے وزیر تعلیم کے فنڈ سے متعلق۔

نمبر 207

199. غیر تاریخ شدہ خط

مسٹر تیاگی کے نام خط: میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ 1930 میں برطانوی حکومت نے گڑھوال رجمنٹ کو برطرف کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے شمال مغربی صوبے میں ہونے والی عدم تعاون تحریک کے شرکاء پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ میں ایک ایسے شخص کے بیٹے کی درخواست بھیج رہا ہوں جس کی نوکری وزارت دفاع نے ختم کر دی تھی۔ انہوں نے وزارتِ دفاع کے اسکالرشپ کے لیے درخواست دی ہے۔ براہ کرم آپ اس معاملے پر پوری ہمدردی کے ساتھ توجہ دیں۔

نمبر 209

200. غیر تاریخ شدہ خط

مسٹر جے نارائن ویاس کے نام خط: جامع مسجد کا ایک حصہ اور اس کی جائیداد حوالے نہیں کی گئی۔ مسجد کی مرمت بہت ضروری ہے۔ مجھے ایک درخواست موصول ہوئی ہے جو میں ضروری کارروائی کے لیے آپ کو بھیج رہا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ الور کی مساجد ابھی تک مسلمانوں کے حوالے نہیں کی گئی ہیں۔ یہ ہندوستان کی بدنامی کا سبب ہے۔

نمبر 210

201. غیر تاریخ شدہ خط

مسٹر سروپ کے نام خط: آپ جانتے ہیں کہ میں رات کو کسی تقریب میں شرکت کرنے سے قاصر ہوں۔ یہاں تک کہ پنڈت نہرو بھی یہ بات جانتے ہیں۔ تاہم میری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔

نمبر 211

202. غیر تاریخ شدہ خط

پنت جی کے نام خط: مجھے آپ کا مورخہ 28 کا خط ملا جس میں دیوناگری رسم الخط کی اصلاح کے سلسلے میں مجھے لکھا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ لیکن یہ قومی سطح پر ہونا چاہیے۔ یہ نہ صرف اتر پردیش کی حکومت کے لیے ہے بلکہ مرکزی حکومت کے لیے بھی اتنا ہی اہم ہے۔ ہم اس موضوع پر ایک کانفرنس طلب کر سکتے ہیں۔

نمبر 212

203. غیر تاریخ شدہ خط

ڈاکٹر کاٹجو کے نام خط: شیخ احمد سرہندی کی درگاہ بین الاقوامی سطح پر مشہور ہے اور لوگ وسطی ایشیا اور افغانستان سے اس درگاہ پر آتے ہیں۔ ریاست پٹیالہ اس درگاہ کی دیکھ بھال کرتی تھی اور پٹیالہ کے مہاراجہ اس درگاہ کے لیے اپنا نذرانہ بھیجتے تھے۔ 1947 کے بعد اب سب کچھ بدل گیا اور درگاہ بھی متاثر ہوئی۔ اس وقت سید مقبول احمد اس درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ حکومت صرف 7000 روپے ماہانہ دیتی ہے جو کافی نہیں ہے۔ پچھلے سال عرس کے موقع پر پاکستان سے 100 لوگ آئے تھے اور حکومت نے صرف 100 روپے دیے تھے اور 100 روپے مقامی کانگریس کمیٹی کے صدر نے بھی دئے۔

نمبر 213

204. غیر تاریخ شدہ خط

ڈاکٹر تاراچند کے نام خط: مجھے آپ کے خطوط مورخہ 7 اور 8 جون موصول ہوئے۔ میں نفیسی صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہندوستان میں ان کا خیر مقدم ہے۔ مسلم یونیورسٹی اسلامک اسٹڈیز، عربی، فارسی اور ترکی میں چیئر بنانے کا منصوبہ بنارہی ہے۔ میں اس کرسی کے لیے اس کا نام رکھوں گا۔ جناب نفیسی فرانسیسی جانتے ہیں لیکن ہندوستانی یونیورسٹیوں میں ہمیں انگریزی زبان کا علم درکار ہے۔

نمبر 214

205. غیر تاریخ شدہ خط

مسٹر بدھن چندر کے نام خط: حکومت ہند شرپتن سنگھ کو تمغہ دے رہی ہے۔ لیکن ہمیں ایسا انتظام کرنا چاہیے کہ وہ آرام دہ زندگی گزار سکیں۔ ان کے رہنے کے لیے پانچ ایکڑ زرعی زمین دی جائے۔ کیا یہ حکومت بنگال کر سکتی ہے؟

نمبر 215

206. غیر تاریخ شدہ خط

ایورسٹ کے حوالے سے ڈاکٹر راجندر پرساد کے نام خط: میں سروے آف انڈیا کے ڈائریکٹر کو خط لکھ رہا ہوں۔

نمبر 216

207. غیر تاریخ شدہ خط

خط تھائی بدھ مت کے مشن سے متعلق ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ مشن ہندوستان کا دورہ کرنا چاہتا ہے جو گوتم بدھ کی مقدس سرزمین ہے۔ میں ان کے دورے کے لیے تمام انتظامات کرنے کے لیے تیار ہوں۔

نمبر 217

208. غیر تاریخ شدہ خط

ڈاکٹر تاراچند کے نام خط: مجھے امید ہے کہ آپ ٹھیک ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر محمود آپ سے ضرور ملے ہوں گے۔ میں اس کام کے لئے ایک ہزار روپئے بھیج رہا ہوں۔

نمبر 218

209. خط مورخہ 15 اپریل 1918

صدیقی کے نام خط: اگر عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آتا ہے تو یہ ہندوستان میں تعلیم کے میدان میں بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ اسکالرس (دانشوروں) کی کمی ہے۔

نمبر 69/6

210. 27 جنوری 1919

صدیقی کے نام خط: آپ نے حیدرآباد چھوڑنے کا صحیح فیصلہ لیا ہے۔ آپ اپنی دانشورانہ زندگی ہندوستانی ریاست میں اور وہ بھی حیدرآباد کی نوکری کے ساتھ نہیں گزار سکتے۔ حیدرآباد سازشوں کی جگہ ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

نمبر 71/8

211. 3 جنوری 1920

صدیقی کے نام خط: واقعی اتر پردیش کے مسلمانوں سے متعلق وراثت کا سوال بہت ہی خوفناک ہے. وہ وراثت کے اسلامی قانون پر عمل نہیں کر رہے۔ اس لیے ان کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ انہیں اسلامی قانون وراثت کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔

نمبر 73/10

212. 29 اکتوبر 1926

بڑے افسوس کی بات ہے کہ زمیندار اور ہمدرد کا جھگڑا ختم نہیں ہو سکا۔ میں نے ظفر علی خان سے بات کی کہ وہ محمد علی کے خلاف نہیں لکھیں گے۔ لیکن یہ بحث دوبارہ شروع ہو گئی۔ اس نے تحریک خلافت کو بہت نقصان پہنچایا۔ اب اس کے نتیجے میں تحریک خلافت کا اثر لوگوں سے ختم ہو گیا ہے۔ 1920 سے پہلے مسلمان متحد تھے لیکن اب مسلمان تقسیم ہو چکے ہیں۔

نمبر 77/14

213. 13 نومبر 1929

صدیقی کے نام خط: جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک پروفیسر نے ترجمہ کے لیے ایک غلط کتاب کا انتخاب کیا۔ لیکن وہ اپنا دماغ استعمال نہ کر سکے۔ لیکن جامعہ اس کے لیے قطعی ذمہ دار نہیں ہے اور اس کے لیے جامعہ کو مورد الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ اس کے لیے وہ پروفیسر خود ذمہ دار ہیں۔

نمبر 78/15

214. 17 جون 1924

ہندوستان کی یہ بہت خراب صورتحال ہے کہ کسی بھی اردو اخبار میں جہاں ہم چار سطروں کو ترتیب کے ساتھ شائع کر سکیں۔

نمبر 87/4

215. 31 مارچ 1926

زمیندار اور ہمدرد کے درمیان تنازعہ یہ تھا کہ مولانا محمد علی چاہتے تھے کہ حجاز کا کنٹرول بین الاقوامی اسلامی مجلس کو دیا جانا چاہئے۔ مکہ اور مدینہ دونوں کو سعودی بادشاہت کے دائرے سے باہر ہونا چاہیے جس کی بیعت 8 جنوری 1926 کو کعبہ میں ہوئی تھی۔ لیکن زمیندار، ہمدرد کے خلاف لکھ رہا تھا۔

نمبر 91/8

216. 16 اپریل 1927

ہندو سیاسی تبدیلیوں سے بہت واقف ہیں لیکن مسلمانوں کو سیاسی معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مسلمانوں کو سیاسی طور پر تیار کرنے کے لیے ہمیں اخبارات میں مضامین لکھنے چاہئیں تاکہ مسلمان ایک طاقتور اکائی بن کر ابھر سکیں۔ ہم اپنا وقت اور توانائی شدھی اور سنگھٹن پر لکھنے میں ضائع کرتے رہتے ہیں۔

نمبر 94/11

217. 29 ستمبر 1927

ہندو اور مسلمان مذہبی معاملات پر لڑ رہے ہیں جیسے گائے کشی اور موسیقی بجانا۔ اس کے بجائے

ہم کو ان اہم مسائل پر بات کرنی چاہئے جن کی ہمارے سماج کو شدید ضرورت ہے۔ تاکہ ان مسائل کا حل ہو سکے۔

نمبر 97/14

218. 15 فروری 1935

میں درد میں مبتلا تھا اور ایلوپیتھک دوا لی تھی۔ میں نے یونانی طب کا مطالعہ کیا تھا اور میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں کسی حکیم سے بھی مشورہ کروں گا۔ میں نے طبّی دوا استعمال کی تھی اس سے میں صحت یاب ہو گیا ہوں۔

نمبر 101/18

219. 26 فروری 1936

یہ بڑی مصیبت ہے کہ جو مسلمان تجارت سے وابستہ ہیں وہ جھوٹے ہو گئے ہیں۔ وہ مذہب کی بہت زیادہ باتیں کرتے ہیں۔ تذکرہ کی قیمت دو روپے ہے لیکن کتاب فروش اسے پندرہ روپے آٹھ آنے میں فروخت کر رہے ہیں۔ میں اپنے آپ کو مجرم محسوس کرتا ہوں کہ لوگوں کو بلاوجہ اتنی بڑی قیمت پر تذکرہ خریدنا پڑ رہا ہے۔

نمبر 111/28

220. 6 مارچ 1936

میں ایک طویل عرصے سے سادہ خوراک لیتا ہوں۔ میں مرغن کھانے نہیں کھاتا ہوں۔

نمبر 112/29

221. 25 جنوری 1937

انہوں نے انقلاب کے ایڈیٹر کو لکھا کہ بعض اوقات، آپ منطق کی حد پار کر جاتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر خان سے کسی نے پوچھا کہ آپ ہندی اور گرمکھی سرکلر کے لیے کیا کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اسے منسوخ کر دیں گے۔ آپ اسے اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ رہے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ آج آپ سکھوں کے لیے کر رہے ہیں لیکن اگر یہی کام بہار، یوپی، مدراس اور بمبئی میں اردو کے ساتھ کیا جائے تو کیا ہوگا؟ ہندو اور مسلمان اردو کے خلاف ہیں اور وہ بنگلہ چاہتے ہیں۔ براہ کرم چیزوں کو صحیح طریقے سے تجزیہ کرنے کی کوشش کریں اور اس کے بعد ہی اپنے بیانات جاری کیا کریں۔

نمبر 139/56

222. 6 فروری 1937

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اردو سرکلر کی اہمیت کو محسوس کیا۔ ہمیں اردو کا ساتھ دینا ہے۔ اگر ہم گرمکھی کے لیے گرانٹ روک دیں، جو سکھوں اور ہندوؤں کی طرف سے بولی اور سکھائی جاتی ہے اور اگر اردو کی گرانٹ روک دی جائے تو کیا ہوگا؟ تو سکھ ریاست کے تعاون کے بغیر آپ اپنی زبان کو جاری رکھ سکتے ہیں لیکن اگر بنگال، یوپی، بہار، بمبئی، وسطی صوبوں، مدراس، آسام اور کٹک میں اردو کی گرانٹ روک دی جائے تو کیا ہوگا؟ صاحبزادہ عبدالقیوم کے جاری کردہ سرکلر نے پورے ہندوستان میں اردو کے لیے ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ تمام ریاستیں اردو کی مخالفت کے لیے اس کا استعمال کریں گی۔ مسلمانوں کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ انہوں نے اس معاملے پر ہندو سکھ ایجی ٹیشن کے لیے ایک اچھا موقع فراہم کر دیا ہے۔

نمبر درج نہیں ہے

223. 25 فروری 1937

بنگال وہ ریاست نہیں ہے جو آپ کے خیال میں ہے۔ بنگال کے مسلمانوں کے دور اندیش نہ ہونے کی وجہ سے مسائل کا سامنا ہے، ورنہ وہ بہت طاقتور ہیں۔

نمبر 141/58

224. غیر تاریخ شدہ خط

پنجاب کے ایک کانگریسی لیڈر نے جھوٹ بولا کہ میں نے پنجاب کے لئے پچیس ہزار روپے دیے ہیں۔ کانگریس کا ہر شخص ہنس رہا ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ کر کے وہ مجھے بدنام کرنا چاہ رہے ہیں۔ میں نے تو ایک روپیہ بھی کسی کو نہیں دیا۔

نمبر 142/59

225. 16 جون 1937

مجھے آپ کا خط ملا۔ مجھے لگتا ہے کہ آپ لوگ کانگریس میں ہونے والے کاموں سے پوری طرح لاعلم ہیں۔ آپ کسی اور دنیا میں رہ رہے ہیں۔ آپ نے میرے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔

نمبر 144/61

226. 19 اگست 1937، 19۔A بالی گنج، سرکلر روڈ، کلکتہ

میں نے بّنوں کانفرنس کی صدارت قبول کر لی ہے۔ ہندوستان میں لوگوں میں ذمہ داری کا احساس نہیں ہے۔ میں 250000 (دولاکھ پچاس ہزار) روپئے کی خیرات پنجاب میں

تقسیم نہیں کرناچاہتاہوں۔ڈاکٹر عالم رورہے ہیں کہ کانگریس میں انہیں کوئی مقام نہیں دیتا۔
نمبر 146/63

227. 27 ستمبر 1937، 19۔A بالی گنج، سرکلر روڈ، کلکتہ
ٹیپو سلطان پر کتاب وکٹوریہ میموریل ہال میں دستیاب ہے۔اگر آپ کو ضرورت ہو تو میں اس کی کاپی بھیج سکتاہوں۔حیدر علی اور ٹیپو سلطان پر دیگر کتب دیگر لائبریریوں میں دستیاب ہیں۔ فارسی میں درج ذیل کتابیں کافی مستند ہیں: لالہ کھیم نارائن کی فتوحات حیدری، حسین علی کرمانی کی نشان حیدری اور مولوی عبدالرحیم کی کارنامہ حیدری۔
نمبر 150/67

228. 30 ستمبر 1937، کلکتہ
حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے بارے میں لکھتے ہوئے ہمیں جیمز بارسٹو، کرنل بیلی اور جیمز سیوری کی کتابوں سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ ہمیں سید زین العابدین شوشتری کی تحفتہ المجاہدین کا بھی مطالعہ کرناچاہیے۔
نمبر 151/68

229. 4 اکتوبر 1937
میڈم کمپین اور شہزادی ڈی لمبل کے مضامین میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے حوالے موجود ہیں۔
نمبر 152/69

230. 9 مارچ 1938 کلکتہ

رام پور نے غالب کے خطوط کا کلیکشن شائع کیا ہے۔ آپ اس کتاب کو ترتیب دے سکتے ہیں۔ وہاں عرشی صاحب ہیں جنہوں نے اس کو ایڈٹ کیا تھا۔

نمبر 158/75

231. 7 اپریل 1940

مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ آپ نے میرے خط کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے مسلمانوں کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ کیا آپ مجھ سے اس کی توقع کر سکتے ہیں؟ میں نے آپ کو تاریخ پنجاب بھیجی تھی لیکن مجھے اس کی وصولیابی کی اطلاع نہیں ملی۔

نمبر 175/92

232. 28 جون 1942، آل انڈیا کانگریس کمیٹی، سوراج بھون، الہ آباد-کلکتہ

پنجاب کی درسی کتابوں پر ہمیں پنجابی کے مطابق اعراب کے ساتھ لکھنا چاہیے تاکہ پنجابی لوگ اسے آسانی سے پڑھ سکیں۔

نمبر 176/93

233. 22 جون 1945 بمبئی

میں زندہ ہوں اور دوبارہ اس دنیا میں واپس آیا ہوں۔ مراد آباد میں عبدالقیوم نام کے ایک اچھے خطاط ہیں۔ براہ کرم ان سے کہیں کہ وہ مجھ سے رابطہ کریں۔

نمبر 177/94

234. 26 مئی 1903

بھائی کے نام خط: ایشیاٹک سوسائٹی کی کتابوں کی فہرست بھیج رہا ہوں۔ یہ "ملک شاہ سلجوقی" کا ایک رسالہ ہے جو بنیادی طور پر فارسی میں لکھا گیا ہے۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا سفر نامہ ہے۔

نمبر 30

235. غیر تاریخ شدہ خط

محرم نے شیعوں میں ایک عظیم قوت پیدا کی ہے۔ یہ ایران نہیں ہے۔ یہ بھارت ہے۔ میں تقیہ سمجھتا ہوں۔ شیعہ اس کو نقصان پہنچانے کے لیے کہتے ہیں۔ وہ ہمارے اسلاف پر تبرا کرتے ہیں۔

نمبر 31

236. 2 جون 1903

میں یہ کتاب میرا من کی باغ و بہار کی طرز پر لکھ رہا ہوں۔

237. کلکتہ، مورخہ 8 جون 1903

میرے مضمون ''اسلام اور محرم'' پر بڑی بحث ہوئی۔ ابھی بھی کچھ لوگ اس کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ اس مضمون کے خلاف شیعوں نے رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے جلوس نکالے اور 'عالم' کے خلاف لکھا۔

نمبر 33

238. غیر تاریخ شدہ خط

آپ میرے خیالات سے واقف ہیں۔ میں بنیادی طور پر سرسید کی تحریروں سے متاثر ہوں۔

میں انہیں اپنی زبان پر نہیں لایا۔ پردہ اور خواتین کی تعلیم کا سوال۔ بیویوں کی تعداد کے سوال پر کسی نے بحث شروع کی ہے۔ قرآن ایک بیوی کے حق میں ہے۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ اگر میرے والد کو میرے خیالات کے بارے میں پتہ چل جائے تو بھی میں ان کے کہنے سے باز نہیں آؤں گا۔

نمبر 40

239. لکھنؤ، 4 مئی 1906

مراد آباد، اتر پردیش میں انجمن اسلامیہ کا اجلاس ہوا۔ اس میٹنگ میں مجھے خواجہ غلام الثقلین لے کر گئے تھے۔

نمبر 48

240. غیر تاریخ شدہ خط

مولانا محمد یوسف جعفری کے مجموعہ 'رنجور' سے ہمیں نثر اور نظم دونوں میں بہت سا مواد ملا ہے۔

نمبر 49

241. 11 جون 1902

حکیم صاحب کے نام خط: جو لوگ انگریزی تعلیم کو مقبول بنانا چاہتے تھے، ان کا مقصد سائنس، فلسفہ اور دیگر سائنسی مضامین کا مطالعہ کرنا تھا۔ لیکن اب اس کے برعکس ہو گیا ہے کہ لوگوں نے انگریزی میں داخلہ یا F.A پاس کیا اور پندرہ روپے مہینے پر سروس جوائن کر لی ہمیں مغربی مضامین کا ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ کرنا چاہئے اور سائنٹیفک سوسائٹی اور پنجاب یونیورسٹی

کے مقاصد سے اتفاق کرنا چاہئے۔ مغربی تابعداری کا فروغ ہندوستان میں زہر کی طرح کام کر رہا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے روکیں۔ یہ بدعتی افراد پیدا کر رہا ہے۔ یورپ مذہب کے تسلط سے آزاد ہو گیا۔ ناخواندہ لوگ اسلام کو غیر سائنسی سمجھتے ہیں۔ اب ہم مغربی سائنسی کاموں کا ترجمہ کیا ہوا نسخہ مرقع عالم میں شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں اس کے برے اثرات کو ختم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ میں آپ کو ایک مضمون بھیج رہا ہوں، 'علوم جدیدہ اور اسلام'
نمبر 50

242. میکلوڈ اسٹریٹ، کلکتہ، 3 نومبر 1912
مسلمانوں کی قیادت کی حالت ابتر ہے۔ ان سفید پوش اشراف سے کوئی امید نہ رکھیں۔ علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کو ایک مفلوج عضو بنا دیا ہے۔ ہم خود کو متحد کریں تب ہی ہم کچھ حاصل کر سکیں گے۔
نمبر 60

243.
ضامن صاحب خود کو ہیڈ پجاری کہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان کا اس سے کیا مطلب ہے۔ تصوف اور اہل سلوک کے اصولوں کے خلاف ہے۔ وہ حکومت میں خدمات انجام دینے والے افراد کو پگڑی اور خلعت پہناتے ہیں۔ یہ پیری کی ایک دلچسپ قسم ہے۔
نمبر 62

244. کلکتہ، 20 اکتوبر 1910
انہیں ندوۃ العلماء کی لائبریری کو دیوان فیضی دینا چاہیے تھا۔ الہ آباد کی سرکاری لائبریری میں

اس کو کون سمجھ سکتا ہے۔ وہ لوگ صرف کتابوں کے صفحات کو پلٹ سکتے ہیں اور ابواب کے عنوانات کو پڑھ سکتے ہیں۔ وہ اس کے معانی بھی نہیں سمجھ سکتے۔ وہاں کوئی اس کتاب کو سمجھنے والا نہیں ہے۔

نمبر 69

245. 14 فورٹ اسٹریٹ، بمبئی، غیر تاریخ شدہ خط

خواجہ صاحب نے مجھے سرمد پر مضمون لکھنے کو کہا ہے۔ نامور مورخین کے پاس سرمد پر لکھنے کا وقت نہیں ہے۔ وہ کچھ اور اہم کاموں میں مصروف ہیں۔

نمبر 70

246. غیر تاریخ شدہ خط

آج شام ہم مل نہیں پائیں گے۔ اس لئے کہ شام کو ٹیگور نے مجھے بلایا ہے۔ لیکن عنقریب ہم لوگ ملیں گے۔

247. غیر تاریخ شدہ خط

میں بھی ایشیاٹک سوسائٹی کا رکن ہوں۔ میں آپ کا کام کرنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ایشیاٹک سوسائٹی میں کوئی بھی کام نہیں کرتا۔ اس سلسلہ میں سہروردی کو لکھنا بیکار ہے۔

نمبر 83

248. 1918 کے آس پاس لکھا گیا خط

ہم ہندوستان اور مصر کے مدارس کے نصاب پر نظر ثانی کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

اگر ہم کالج قائم کریں تو بہتر ہو گا۔ حال ہی میں بنگال کے ڈائریکٹر آف ایجوکیشن نے بھی مدرسہ عالیہ کے نصاب پر نظر ثانی کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ میں نے 14 سالہ تعلیم کے نصاب میں بھی ترمیم کی ہے۔ جس میں میں نے ادب، علم القرآن، علوم الحدیث، فقہ حنفی، اصول جامی، اصول توحید، علم اسرار الدین، علم اخلاق، عام تاریخ، تاریخ اسلام، تاریخ ادب عربی، سائنسی علوم، تاریخ مذاہب، پرانے عقلی علوم اور انگریزی ادب۔
نمبر88

249. 27 جنوری 1919
صدیقی کے نام خط: آپ نے ٹھیک کیا کہ آپ نے حیدر آباد سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ریاست حیدر آباد سازشوں کی جگہ ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی ابھی شروع ہوئی ہے۔ کچھ دنوں میں آپ کو اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اچھے مسلمان بنو گے۔ حالانکہ کفر کا مقام اس سے بلند ہے۔ آپ اپنی تحقیق آزادانہ طور پر کریں۔ اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔
نمبر111

250. 3 جنوری 1920
مجھے اتر پردیش کے مسلمانوں میں جانشینی کے سوال کا کوئی علم نہیں تھا۔ ان میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ آپ معاشرے کی اصلاح پر توجہ دیں۔
نمبر113

251. میٹکاف اسٹریٹ، شاہی باغ، الہ آباد، 29 جون 1924
ایک بحث شروع ہوئی ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالسلام۔ میں اس موضوع پر

لکھوں گا۔ مولانا شبلی نے اس موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔
نمبر115

252. کلکتہ، 29 اکتوبر 1926
زمیندار اور ہمدرد کی لڑائی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔ 1920 میں مسلمان متحد ہو گئے۔ آج ہمیں اس اتحاد کے لیے کام کرنا ہے۔
نمبر117

253. کلکتہ، 13 نومبر 1929
جرمن زبان میں اسلامی تاریخ اور دیگر موضوعات پر کافی مواد موجود ہے۔ آپ نے اسے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تعاون سے کیوں جوڑ دیا۔ اگر جامعہ کے کسی پروفیسر نے کچھ غلط لکھا ہے تو آپ جامعہ کو بیچ میں کیوں لاتے ہیں؟
نمبر118

254. کلکتہ، 28 مئی 1913
غیر مرکزیت کی تحریک عربوں نے شروع کی جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو الجھا دیا ہے۔ وہ اسے کسی دوسری طاقت کا کارنامہ سمجھتے ہیں۔ اس سے 'ملت اسلامیہ کی تحریک' خطرے میں پڑ جائے گی۔
نمبر129

255. 10 جولائی 1924
جیل سے رہائی کے بعد مجھے آپ کا پچھلے سال کا خط ملا۔ لیڈروں کی غیر حاضری کے دوران ہندو

مسلم تقسیم بڑھ گئی کیونکہ تمام لیڈر جیل میں تھے۔ میں نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ہندوستان کے مختلف حصوں کا سفر کیا۔ ترکی نے مغربی طاقتوں کے زیر اثر منفی کردار ادا کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ خلافت کا مرکز دنیا کے کسی اور حصے میں بدل دینا چاہیے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کہاں؟ جب خلافت ختم ہوئی تو ہندوستان کے مسلمان انتہائی کنفیوژن کا شکار ہو گئے تھے۔

نمبر130

256. الہلال آفس، کلکتہ، 9 جنوری 1914

سید سلیمان ندوی کے نام خط: آپ نے پونے میں پروفیسری قبول کر لی ہے۔ میرے خیال میں آپ کو مدرسہ کے طلبہ کو پڑھانا چاہیے تھا۔ چند طالب علموں کو عربی اور فارسی پڑھانے سے کیا حاصل ہو گا؟ آپ کو لاکھوں طلباء کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ اگر مجھے کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو قیامت کے دن آپ اس کے لیے جوابدہ ہو گے۔

نمبر143

257. غیر تاریخ شدہ خط

مصر سے ایک وفد آیا اور اس نے سب کو بے وقوف بنا دیا۔ مسلمانوں میں بے وقوف بننے کی بڑی صلاحیت ہے، اس لیے انہوں نے ایسا کیا۔ وفد میں جامعہ ازہر کے علما شامل تھے لیکن آج کا ازہر قدیم ازہر نہیں ہے۔

نمبر178

258. الہلال آفس، جنوری 1916

سر سید احمد خان عورتوں کے پردہ کے حامی تھے۔ وہ ان کی باہر کی تعلیم کے حق میں نہیں تھے۔ سر سید نے میر ممتاز علی کے 'رسالہ حقوق نسواں' کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ جب دہلی کی کانفرنس کی صدارت سر آغا خان نے کی تو انہوں نے مسلمانوں کے زوال کی تمام وجوہات پر بحث کی اور اس کی ایک وجہ ''پردہ'' تھی۔ جناب سید کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے تقلید کے تصور کو رد کیا۔

نمبر187

259. بالی گنج، سرکلر روڈ، کلکتہ، 30 ستمبر 1937

پنجاب کانگریس میں جھگڑے جاری رہیں گے۔ اسے دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ستیہ پال اور گوپی چند، سکندر حیات نے غیر ضروری طور پر ستیہ پال کے خلاف تقریر کی۔

نمبر203

260. کلکتہ، 19 اکتوبر 1937

261. پنجاب کانگریس کا جھگڑا حد سے زیادہ ہی بڑھ گیا ہے۔ میں نے ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر گوپی چند کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ کے موقع پر کلکتہ آنے کے لیے لکھا ہے۔ میں اس مسئلے کو حل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ پنجاب کے مسلمانوں کو مایوسی ہوئی کہ پنجاب اسمبلی پارٹی نے یونٹی کانفرنس کی دعوت قبول کر لی۔

نمبر204

262. 29 نومبر 1937

میں نے ڈاکٹر ستیہ پال کو کلکتہ آنے کے لیے لکھا لیکن وہ نہیں آئے۔ اب میں انہیں دوبارہ لکھوں گا۔

نمبر205

263. کلکتہ، 26 مئی 1939

حیدرآباد میں حالات بہتر ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی بہتر ہی ہے۔ آپ حیدرآباد جائیں اور سر اکبر حیدری سے ملاقات کریں۔

نمبر217